اشرف نقوی بطور شاعر

تحقیقی مقالہ برائے بی۔ ایس۔ اُردُو

سیشن:2024ء-2020ء

مقالہ نگار

عرفان علی

رول نمبر: 050275

گورنمنٹ گریجویٹ کالج سول لائنز شیخوپورہ

نگرانِ مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم سرا

صدر شعبہ اُردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج سول لائنز شیخوپورہ

شعبۂ اُردُو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج سول لائنز شیخوپورہ

اقرارنامہ

میں عرفان علی (رول نمبر: 050275، رجسٹریشن نمبر: 2020-KS-312) اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ میں پیش کیا جانے والا مواد بہ عنوان:

اشرف نقوی بطور شاعر

خالصتاً میری ذاتی کاوش ہے۔ اس میں موجود مواد میری تحقیق و تنقید کا نتیجہ ہیں اور یہ کام پاکستان یا بیرونِ ملک کسی بھی تحقیقی یا تعلیمی ادارے کی طرف سے شائع یا پیش نہیں کیا گیا۔

مقالہ نگار

عرفان علی

رول نمبر 050275

گورنمنٹ گریجوایٹ کالج سول لائنز شیخوپورہ

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ زیر نظر مقالہ بہ عنوان

اشرف نقوی بطور شاعر

عرفان علی (رول نمبر:050275، رجسٹریشن نمبر:2020-KS-312) نے بی ایس اُردو کی سند کے حصول کے لیے میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم سرا

صدر شعبہ اُردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج سول لائنز شیخوپورہ

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ زیر نظر مقالہ بہ عنوان

اشرف نقوی بطور شاعر

عرفان علی (رول نمبر 050275، رجسٹریشن نمبر: 2020-KS-312) نے بی ایس اردو کی سند کے حصول کے لیے ادارے کے قوائد وضوابط کے مطابق مزید کارروائی کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ بہ تاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کو جمع کروایا۔

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم سرا

صدر شعبہ اُردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج سول لائنز شیخوپورہ

ڈائریکٹر

تصدیق نامہ

عنوان مقالہ: **اشرف نقوی بطور شاعر**

مقالہ نگار: **عرفان علی**

رول نمبر: 050275

رجسٹریشن نمبر: 2020-KS-312

یہ تحقیقی و تنقیدی مقالہ ادارہ زبان و ادبیات، پنجاب یونی ورسٹی کی مقالہ کمیٹی میں بی ایس اردو کی ڈگری کے تقاضوں کی جزوی تکمیل کے طور پر منظور کیا گیا۔

مقالے کی امتحانی کمیٹی:

1۔ داخلی ممتحن ____________________

2۔ خارجی ممتحن ____________________

3۔ ڈائریکٹر ____________________

تاریخ: ____________________

اشرف نقوی بطور شاعر

تحقیقی مقالہ برائے بی ایس اُردو

مقالہ نگار

عرفان علی

رول نمبر: 050275

نگرانِ مقالہ

ڈاکٹر محمد اکرم سرا

ایسوسی ایک پروفیسر / صدر شعبہ اُردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج، سول لائنز، شیخوپورہ

کلاس: بی ایس اُردو، سمسٹر 8

سیشن: 2020-2024

شُعبہ اُردو

گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، شیخوپورہ

اگست 2024ء

پیش لفظ

میں اللہ تعالیٰ، اس کے پیارے رسول ﷺ کی مدد اور کامیابی کے لئے والدین، اساتذہ، دوستوں اور ان تمام افراد کا شکریہ ادا کرنا ایک بہت اہم اور با معنی عمل ہے۔ یہ مقالہ بھی ایسی ہی کوشش کا نتیجہ ہے جس میں بہت سے افراد کا کردار شامل رہاہے، اور ہر ایک کا حصہ اس مقالے کی تکمیل میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے اس علمی سفر کی کامیاب تکمیل کی توفیق دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کی ہر کامیابی میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہی میں اس قابل ہوا کہ اس مقالے کو مکمل کر سکوں۔

میرے والدین کی محبت اور دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہیں۔ والدین وہ ہستیاں ہیں جو اپنی اولاد کی کامیابی کے لئے ہر ممکن قربانی دیتی ہیں۔ ان کی رہنمائی، شفقت اور دعاؤں کے بغیر کوئی بھی کامیابی ممکن نہیں ہوتی۔ میرے والدین نے مجھے ہمیشہ سچائی، محنت اور عزم کے راستے پر چلنے کی ترغیب دی، اور انہی کی دعاؤں کی بدولت میں نے اپنے علمی سفر کو مکمل کیا۔

عرفان علی

بی ایس سکالر

گورنمنٹ گریجویٹ کالج، سول لائنز شیخوپورہ

فہرست ابواب

باب اوّل

اشرف نقوی کی سوانح اور شخصیت

سید اشرف نقوی ٦ مئی، ۱۹۶۲ء کو اتوار کے دن شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ سیّد اشرف نقوی کا پیدائشی نام اشرف حسین ہے جبکہ سکول میں داخلے کے وقت آپ کا نام محمد اشرف درج کروایا گیا۔

سمیعہ نعیم اشرف نقوی کی پیدائش کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ”سیّد اشرف نقوی ٦ مئی، ۱۹۶۲ء کو شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک پختہ فکر اور سنجیدہ شاعر ہیں۔“(۱) (مقالہ سمیعہ نعیم۔ ص:۹)

وجیہہ زہرا زیدی اشرف نقوی کی پیدائش کے حوالے سے تحریر کرتی ہیں:

> ”اشرف نقوی کی پیدائش شیخوپورہ میں ٦ مئی، ۱۹۶۲ء کو اتوار کے دن بوقت صبح صادق ہوئی۔“ (۲)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی)

سیّد اشرف نقوی ترمذ کے ایک سادات گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا سلسلۂ نسب دسویں امام علی نقیؑ سے جا ملتا ہے۔

اشرف نقوی کے بقول:

> ان کے آباء واجداد دیگر عرب خاندانوں کی طرح ہجرت کر کے ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور وہاں سے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے اُس وقت کے مشرقی پنجاب (موجودہ ہریانہ) کے گاؤں دینار پور، نزد مارکنڈا دریا، تھانہ شاہ آباد، تحصیل جگادری، ضلع انبالہ میں آکر آباد ہو گئے اور قیامِ پاکستان تک وہیں آباد رہے۔“ (۳)

(انٹرویو اشرف نقوی)

سیّد اشرف نقوی کے والد کا نام سیّد دلبر حسن شاہ اور والدہ کا نام رضیہ بیگم تھا۔ جب قیامِ پاکستان کا اعلان ہوا تو جس طرح پورے ہندوستان میں فسادات کی آگ پھیلی تو باقی ملک کی طرح مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر بھی ہندوؤں اور سکھوں کے حملے شروع ہو گئے۔ جن کی لپیٹ میں شہروں کے ساتھ دیہات بھی آ گئے۔ اشرف نقوی کے آباؤ اجداد چونکہ مشرقی پنجاب کے ضلع انبالہ کے گاؤں دینار پور میں رہتے تھے (جو کہ تقسیم کے وقت بھارت میں شامل کر دیا گیا تھا)، اس لیے اس گاؤں کے مسلمانوں پر بھی سکھوں کے حملے شروع ہو گئے۔ اس لیے تمام مسلمان خاندانوں نے متفقہ طور پر اپنی جانیں بچانے کے لیے ہجرت کا فیصلہ کیا اور راتوں رات اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنی جانیں بچانے کے لیے گاؤں سے مہاجر کیمپوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور کئی دن اور راتیں کیمپوں میں گزار کر پاکستان پہنچے۔

وجیہہ زہرا زیدی اشرف نقوی کے آباءواجداد کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ”قیامِ پاکستان کا اعلان ہوتے ہی پورے ہندوستان کی طرح مشرقی پنجاب میں بھی بدترین ہنگامے پھوٹ پڑے اور مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا تو دینار پور پر بھی سکھوں نے حملہ کر دیا۔ گاؤں کے تمام (مسلمان) باسیوں کو راتوں رات اپنی جانیں بچا کر نکلنا پڑا اور وہ کئی دن اور راتیں کیمپوں میں گزار کر پاکستان آ گئے۔ پاکستان آ کر آبادکاری تک کچھ عرصہ مہاجر کیمپوں میں گزارنا پڑا پھر ان کے والدین جہلم میں آباد ہو گئے۔(۴)

(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی)

پاکستان میں آ کر کچھ عرصہ آبادکاری تک مہاجر کیمپوں میں گزارنا پڑا۔ حالات بہتر ہونے کے بعد اشرف نقوی کے والدین جہلم میں آباد ہوئے۔ حصولِ روزگار کے سلسلے میں اُن کو پہلے گوجرانوالہ اور بعد میں شیخوپورہ میں نقل مکانی کرنا پڑی۔ شیخوپورہ میں اشرف نقوی کے والد سید دلبر حسن شاہ کو ڈسٹرکٹ کونسل شیخوپورہ میں سرکاری ملازمت مل گئی اور پھر وہ مستقل طور پر شیخوپورہ میں ہی رہائش پذیر ہو گئے۔

اشرف نقوی کے والد کا نام سیّد دلبر حسن نقوی تھا لیکن اپنے دفتر ڈسٹرکٹ کونسل میں دلبر شاہ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ پھر مستقل طور پر دلبر شاہ کے نام سے جانے پہچانے گئے۔ ۱۹۸۸ء میں ملازمت سے ریٹائرمنٹ حاصل کی۔ اشرف

نقوی کی والدہ رضیہ بیگم کا انتقال ۷ اپریل، ۱۹۹۱ء کو ہوا۔ وہ ایک گھریلو خاتون تھیں۔ اشرف نقوی کے والد سید دلبر حسن شاہ یکم اگست ۲۰۱۰ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

خاندان

اشرف نقوی کے خاندان میں اُن کے والدین کے علاوہ چار بہن بھائی اور بھی ہیں جن میں سے سب سے بڑے بھائی سیّد مظفر حسین نقوی ہیں جو محکمہ آبپاشی (Irrigation Department) میں بطور سپرنٹنڈنٹ اپنے فرائضِ منصبی سرانجام دے کر ۲۰۱۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور آج کل لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔

سیّد مظفر حسین کے بعد اشرف نقوی سے بڑی ایک بہن ہیں جن کا نام شاہدہ پروین ہے اور یہ خاتونِ خانہ ہیں۔ اشرف نقوی سے چھوٹا ایک بھائی سیّد مشرف حسین ہے جو ضلع کونسل شیخوپورہ میں سرکاری ملازم ہے۔ سب سے چھوٹی بہن کا نام ساجدہ پروین ہے۔ یہ بھی شادی شدہ ہے اور خاتون خانہ ہے اور بھکر میں رہائش پذیر ہے۔ اشرف نقوی سمیت تمام بہن بھائیوں کی تعداد پانچ ہے

ابتدائی تعلیم

اشرف نقوی کی ابتدائی تعلیم کا آغاز بھی ایک عام مسلمان گھرانے کے بچے کی طرح ہوا۔ دینی تعلیم کا آغاز قرآن پاک کی تعلیم سے ہوا اور اس سلسلے میں انھیں محلے کی قریبی مسجد میں قرآن پاک پڑھنے کے لیے بھیجا گیا۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ رسمی تعلیم کا آغاز ہوا۔ تقریباً پانچ سال کی عمر میں دنیوی تعلیم کے حصول کے لیے اشرف نقوی کو ایم سی پرائمری سکول محلہ مسلم گنج میں داخل کروا دیا گیا۔

اشرف نقوی کے والد سید دلبر حسن کا رُجحان دینی تعلیم کی طرف تھا اور انھوں نے اشرف نقوی کو قرآنِ پاک حفظ کروانے کا فیصلہ کیا اور انھیں پرائمری تعلیم کے دوران ہی دوسری کلاس سے ہٹا لیا گیا اور شیخوپورہ کے ممتاز استاذالحفاظ الحاج حافظ ارشاد احمد کے مدرسہ حفظ القرآن میں (جو اُنھوں نے اپنے گھر میں ہی قائم کیا ہوا تھا) داخل کروا دیا گیا۔

اشرف نقوی کے بقول جب انھوں نے قرآن حفظ مکمل کر لیا تو دوبارہ ان کی سکول کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"تعلیم کے حصول کے لیے مجھے گورنمنٹ جامع ہائی سکول شیخوپورہ کے ایک نہایت قابلِ احترام اور محنتی اُستاد سر محمد خان نسیم کی شاگردی میں دے دیا گیا۔ اُن کی بھرپور توجہ اور طریقہ تدریس کی بدولت میں اس قابل ہو گیا کہ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ہی میٹرک کا امتحان دینے کے قابل ہو گیا اور اس طرح میں نے میٹرک کے سالانہ امتحان ۱۹۸۱ء میں درجہ دوم میں کامیابی حاصل کی۔" (۵)(انٹرویو اشرف نقوی)

میٹرک کے امتحان میں کامیابی کے بعد اُنھوں نے گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (موجودہ گورنمنٹ گریجوایٹ کالج آف کامرس) شیخوپورہ میں" ڈپلومہ ان کامرس" کلاس میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۳ء میں پنجاب بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن لاہور سے ڈی۔کام کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں اشرف نقوی نے ۱۹۸۴ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج شیخوپور میں بی اے (تھرڈ ایئر) میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۶ء میں یہیں سے پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام منعقدہ امتحان میں حصہ لیا اور بی اے کا امتحان درجہ دوم میں پاس کر لیا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد اشرف نقوی مالی حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور ملازمت کے حصول کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ تقریباََ ایک سال کی فراغت کے بعد ایک ٹیکسٹائل مل میں ملازمت شروع کی لیکن یہ ملازمت زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔ بعد ازاں ۱۹۸۸ء میں مِلک پیک لیمیٹڈ (موجودہ نیسلے ملک پیک) میں بطور سٹور کلرک ملازمت مل گئی لیکن وہاں بھی زیادہ عرصہ نہ گزرا اور تقریباََ ایک سال کے بعد ۱۹۸۹ء میں اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اسی دوران ان کے والد صاحب بھی اپنی مدت ملازمت پوری کر کے ریٹائر ہو چکے تھے۔ اور گھر کے گزر اوقات کے لیے اُنھوں دکان بنالی تھی۔ اشرف نقوی نے ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد اُن کا دکانداری میں ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ اسی دوران انھوں نے ٹیچرز کی بھرتی کے لیے محکمہ تعلیم کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے سی ٹی(C.T) کے امتحان میں حصہ لیا اور فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد دورانِ ملازمت بھی اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۹۳ء میں بی ایڈ کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے بطور پرائیویٹ امیدوار پاس کیا۔ ۱۹۹۷ء میں ایم اے پنجابی زبان و ادب کا

امتحان پنجاب یونیورسٹی سے ہی بطور پرائیویٹ امیدوار پاس کیا۔

آغاز ملازمت بطور ٹیچر

اشرف نقوی کو ۸ نومبر ۱۹۹۰ء کو محکمہ تعلیم میں بطور ای۔ایس۔ٹی (EST) ملازمت مل گئی اور ان کی پہلی تقرری گورنمنٹ ایلیمنٹری سکول بھٹھل میں ہوئی۔ اس سکول میں انھوں نے دس سال تک طلباء کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ بعد ازاں ۲۰۰۰ء میں ان کا تبادلہ گورنمنٹ ایلیمنٹری سکول جیون پورہ میں ہو گیا۔

گورنمنٹ ایلیمنٹری سکول جیون پورہ میں پانچ سال تک تدریسی فرائض سرانجام دینے کے بعد یکم جولائی، ۲۰۰۵ کو ان کی ای۔ایس۔ٹی (EST) سے بطور ایس۔ایس۔ٹی (SST) پروموشن ہو گئی اور اشرف نقوی کی تقرری گورنمنٹ ہائی سکول بلہیڑکے میں ہو گئی۔ ۲۰۰۶ء میں حکومت پنجاب نے DSD کے زیرِ انتظام پرائمری ٹیچرز کی ٹریننگ اور Mentoring کے لیے ڈسٹرکٹ ٹریننگ اینڈ سپورٹ سنٹرز کا پروجیکٹ لانچ کیا تو اشرف نقوی کی بطور ڈسٹرکٹ ٹیچر ایجوکیٹر (DTE) کلسٹر ٹریننگ اینڈ سپورٹ سنٹر میں تقرری ہو گئی۔ اشرف نقوی نے مئی، ۲۰۱۱ء تک بطور ڈی ٹی ای (DTE) اپنے فرائض سرانجام دیے۔ اس کے بعد ان کی تقرری گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول شیخوپورہ میں بطور ایس ایس ٹی ہو گئی۔ ۲۰۱۵ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھکھی میں تبادلہ ہو گیا اور اپنی بقیہ ملازمت وہیں پوری کر کے ۵ مئی ۲۰۲۲ء کو ریٹائر ہو گئے اِس طرح تقریباً سات سال گورنمنٹ ہائی سکول بھکھی میں تدریسی فرائض سرانجام دینے کے بعد اسی ادارے سے ریٹائر ہوئے۔

بقول اشرف نقوی:

"۵ مئی ۲۰۲۲ء کو گورنمنٹ ہائی سکول بھکھی سے میں نے ریٹائرمنٹ حاصل کی۔" (٦)(انٹرویو)

اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد آج کل علمی و ادبی سرگرمیوں اور مطالعے میں مصروف رہ کر وقت گزارتے ہیں۔ تعلیم اور ملازمت کے حوالے سے یہ معلومات اشرف نقوی سے اُن کی رہائش گاہ پر انٹرویو کے دوران حاصل کی گئیں۔

ازدواجی زندگی کا آغاز

اشرف نقوی کی ازدواجی زندگی کا آغاز ۹ نومبر ۱۹۹۱ء کو ہوا۔ آپ کی شادی سیّد محمد حمید حسین بخاری کی صاحبزادی روبینہ حمید بخاری سے ہوئی۔ سید محمد حسین بخاری محکمہ تعلیم میں بطور ایس ایس ٹی ملازم تھے اور گورنمنٹ اسلامیہ ہائی سکول شیخوپورہ میں تعیّنات تھے۔ وہ معروف ماہر تعلیم، محقق اور نقاد پروفیسر سیّد خورشید حسین بخاری کے بڑے بھائی تھے۔

وجیہہ زہرا زیدی اشرف نقوی کی ازدواجی زندگی کے آغاز کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ”ان کی شادی کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو ان کی شادی ۹ نومبر ۱۹۹۱ء کو سیّد محمد حمید حسین بخاری کی صاحب زادی روبینہ حمید بخاری سے ہوئی۔“ (۷)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی)

اشرف نقوی خود تو شعر و سخن سے لگاؤ رکھتے ہی ہیں، ان کی شریکِ حیات روبینہ حمید بخاری بھی ادبی ذوق رکھتی ہیں اور نظم اور غزل دونوں میں طبع آزمائی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کہانیاں اور افسانے بھی لکھتی ہیں۔ روبینہ بخاری کے قلمی نام سے لکھتی ہیں۔ ان کی تحریریں ملک کے معروف اور موٴقر ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ جس میں کچھ حمد اور منقبتیں بھی شامل ہیں حال ہی میں فرح پبلی کیشنز شیخوپورہ کے زیرِ اہتمام شائع ہوا ہے۔

مجموعہ ہائے کلام

اشرف نقوی کے اب تک تین مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ آخرش مجموعۂ غزل ۲۰۰۶ء

۲۔ زادِ حرف مجموعہ غزل ۲۰۱۵ء

۳۔ حرفِ مدحت مجموعہ حمد و نعت ۲۰۲۴ء

اولاد (بچے)

اشرف نقوی کے تین بچے ہیں جن میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا ہے جس کا نام سید محمد حسنین احمد نقوی ہے جو ۲۰ جنوری ۲۰۰۲ء کو شیخوپورہ میں پیدا ہوا۔ حسنین احمد نقوی اس وقت یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور (فیصل آباد کیمپس) میں زیرِ تعلیم ہے اور میکاٹرونکس اینڈ کنٹرول انجینئرنگ کا سال چہارم کا طالب علم ہے۔ دوسرے نمبر پر بیٹی ہے جس کا نام سیّدہ وجیہہ زینب نقوی ہے، اس کی تاریخ پیدائش ۲۲ جنوری ۲۰۰۳ء ہے اور وہ شیخوپورہ میں پیدا ہوئی ۔ وجیہہ زینب نقوی بھی یو۔ای۔ٹی (UET) لاہور میں پولیمر اینڈ کیمیکل انجینئرنگ میں سال چہارم کی طالبہ ہے۔ سب سے چھوٹی بیٹی سیّدہ شافعہ بتول ۱۲ ستمبر ۲۰۰۶ء کو شیخوپورہ میں پیدا ہوئی۔ وہ اس وقت ایف ایس سی فرسٹ ایئر کی سٹوڈنٹ ہے۔

علمی، ادبی اور سماجی سرگرمیاں

اشرف نقوی نے زمانہ طالب علمی میں ہی ادبی اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور اس حوالے سے کالج میں اپنی پہچان بھی بنالی تھی۔

تعلیمی اداروں کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے کہ ہر سال طلباء میں ہم نصابی سرگرمیوں کا شوق پیدا کرنے کے لیے مختلف مقابلہ جات کروائے جاتے ہیں جن میں سپورٹس کے مختلف ایونٹس کے علاوہ تقریری، تحریری، شاعری اور تلاوت کلامِ پاک اور نعت خوانی کے مقابلہ جات کروائے جاتے ہیں۔ اشرف نقوی چونکہ شاعری کا شوق رکھتے تھے اس لیے ان مقابلہ جات میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۸۳ء میں کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس کے سٹوڈنٹس کے درمیان کُل پنجاب بین الکلیاتی سپورٹس اور دیگر ہم نصابی سرگرمیوں کے مقابلے گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ وحدت روڈ، علامہ اقبال ٹاؤن میں منعقد ہوئے تو اشرف نقوی نے بھی اپنے ساتھی طالب علموں کے ساتھ اپنے کالج کی نمائندگی کرتے ہوئے ان مقابلوں میں حصہ لیا اور نظم و غزل کے مقابلے میں انفرادی طور پر دوسرا انعام حاصل کیا اور اپنے ساتھی طالب علم کے ساتھ مل کر بطور ٹیم چیلنج ٹرافی جیتی۔

اس زمانے میں کالجز اور جامعات میں سٹوڈنٹس یونینز کے الیکشن ہر سال ہوا کرتے تھے جن میں صدر، نائب صدر، جنرل سیکرٹری، جوائنٹ سیکرٹری اور کلاس نمائندگان کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ اشرف نقوی نے سال اوّل میں کلاس نمائندہ یعنی

(CR) کا انتخاب جیتا اور سال دوم میں سٹوڈنٹس یونین کے نائب صدر کی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ اس کے علاوہ زمانہ طالب علمی میں ہی اپنے ایک ہم جماعت شاعر قمر علی خان (جن کا قلمی نام پرنس قمر جاوید خان تھا) کے ساتھ مل کر ایک ادبی تنظیم قائم کی جس کا نام "پرنس رائٹرز ایسوسی ایشن" رکھا گیا۔ اس ادبی تنظیم کے زیرِ اہتمام کئی تقریبات اور مشاعرے بھی منعقد ہوئے۔ یہ تنظیم کئی سال تک فعال رہی۔ بعد میں اس کا نام بدل کر "نوجوان ادبی محاذ" رکھ دیا گیا۔ "نوجوان ادبی محاذ" کے زیرِ اہتمام بھی کئی یادگار تقاریب منعقد ہوئیں۔ جن میں اُس وقت کے نامور شعراء نے شرکت کی جن میں سید امین گیلانی، سید انور علیمی، پروفیسر افضل علوی، حکیم محمود الحسن درد اور بہت سے دوسرے شعراء کے نام شامل ہیں۔

۱۹۸۳ء میں نوجوانوں کی فلاحی اور سماجی تنظیم "یوتھ فرنٹ پاکستان" کے نام سے ملکی سطح پر قائم کی گئی تو اشرف نقوی اس کے رُکن بن گئے اور تنظیم کے ضلعی یونٹ کے جنرل سیکرٹری اور نائب صدر منتخب ہوئے اور سماجی اور فلاحی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ یوتھ فرنٹ پاکستان کے اغراض و مقاصد میں نظریۂ پاکستان کی ترویج و اشاعت اور تحریکِ پاکستان کے حوالے سے نوجوانوں میں آگاہی پیدا کرنا تھا۔ یوتھ فرنٹ نے اُس زمانے میں بہت سے فلاحی کام بھی کیے اور کئی تقریبات بھی منعقد کیں۔ اُسی زمانے میں شیخوپورہ کی ادبی فضا میں ایک نئی تنظیم "انجمن شاہینِ ادب" کا ظہور ہوا۔ جس کے بانی خالد محمود اور سیکرٹری نشر و اشاعت ارشد نعیم تھے۔ اس تنظیم نے شیخوپورہ کی ادبی سرگرمیوں کو جِلا بخشنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ خالد محمود کی نجی مصروفیات بہت زیادہ تھیں جن کا اثر تنظیم کی کارکردگی پر بھی پڑا اور "انجمن شاہینِ ادب" کچھ عرصہ کے لیے غیر فعال ہو گئی۔ ارشد نعیم چونکہ ادب سے مخلص تھے اس لیے اس تنظیم کو دوبارہ فعال کرنے کی جدوجہد میں لگ گئے اور اس تنظیم (انجمن شاہین ادب) کی تشکیلِ نو کی اور اُنھوں نے اس کا نیا نام "شاہین رائٹرز فورم" رکھا۔ اشرف نقوی بھی اس تنظیم کے سرگرم رکن رہے اور بطور جوائنٹ سیکرٹری اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

۸۹۔۱۹۹۰ء میں شیخوپورہ کے چند نوجوان شعراء نے ایک نئی تنظیم "نقوشِ ادب" کی بنیاد رکھی جس میں اُس وقت کے نوجوان شعراء ناصر عباس، کامران انجم، نوید رضا، اطہر سجاد اور دیگر کئی نوجوان شاعر شامل تھے۔ بعد میں اس تنظیم میں ارشد نعیم، اشرف نقوی اور اظہر عباس بھی شامل ہو گئے۔ اشرف نقوی نے اس تنظیم میں صدر، جنرل سیکرٹری اور فنانس سیکرٹری کے عہدوں پر کام کیا۔ "نقوشِ ادب" نے کئی یادگار مشاعرے اور پروگرام منعقد کروائے جن میں ملک کے نامور

شعراء نے شرکت کی۔ پھر تنظیم کے اہم رکن کامران انجم کی المناک وفات کے بعد تنظیم کا شیرازہ بکھر گیا اور کچھ عرصہ تک نقوشِ ادب غیر فعال رہی لیکن جلد ہی اس کی تشکیلِ نو ہوئی اور اس کا نام ''دریچہ'' رکھ دیا گیا۔ اس کے بانی اراکین میں نوید رضا، ارشد نعیم، اشفاق احمد ورک، خالد ندیم، محمد یونس، اشرف نقوی اور اظہر عباس، شاہین عباس، پروفیسر اکرم سعید، پروفیسر خرم عباس ورک شامل تھے۔ بعد میں اراکین کی توثیق اور منظوری سے جو لوگ تنظیم میں شامل ہوئے اُن میں محمد اکرم سرا، علی آصف، ابرار حامد، اصغر علی جاوید، ابنِ صادق مزاری، پروفیسر صدیق شاہد، سیّد انتصار حسین عابدی سرِ فہرست ہیں۔

اِن اراکین میں میرے کچھ اساتذہ بھی شامل ہیں جن سے مجھے علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ وہ معروف شخصیات، پروفیسر اکرم سعید، پروفیسر محمد اکرم سرا، پروفیسر خرم عباس ورک اور پروفیسر علی آصف شامل ہیں

''دریچہ'' کے آئین کے مطابق تنظیم میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تمام ممبر نئے شامل ہونے والے ممبر کے حق میں ووٹ دیں۔ اگر ایک ممبر بھی اپنے تحفظات کا اظہار کر دے اور اُسے شامل کرنے سے انکار کر دے تو اُسے رکنیت نہیں دی جاتی۔ اگر سب اراکین رضامند ہوں تو اُسے تنظیم میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

۴۔۲۰۰۳ء میں اشفاق احمد ورک ''دریچہ'' کے سیکرٹری منتخب ہوئے تو اُن کے ساتھ پہلی مرتبہ اشرف نقوی ''دریچہ'' کے جوائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے اور اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

۲۰۱۵ء میں ارشد نعیم ''دریچہ'' کے سیکرٹری اور اشرف نقوی جوائنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے اور دو سال تک تنظیم کو چلاتے رہے۔

۲۰۱۸ء میں اصغر علی جاوید سیکرٹری بنے تو اشرف نقوی بطور جوائنٹ سیکرٹری اُن کے پینل میں شامل تھے۔ یہ پینل بھی دو سال کام کرتا رہا۔

سال ۲۰۲۴ء کے منتخب سیکرٹری اشرف نقوی اور سیّد تیمور کاظمی جوائنٹ سیکرٹری ہیں اور اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

بقول اشرف نقوی:

> ”میں اِسی سال یعنی ۲۰۲۴ء کے لیے ادبی تنظیم ”دریچہ“ کا سیکرٹری منتخب ہوا ہوں۔ اس عہدے کی مدت ایک سال (جنوری تا دسمبر) ہوتی ہے۔“(۸)۔(انٹرویو)

”دریچہ“ کے علاوہ اشرف نقوی کئی سماجی تنظیموں کے بھی رکن ہیں جن میں انجمن اساتذہ پاکستان اور ہیومن رائٹس ٹائم لائن شیخوپورہ شامل ہیں۔

”انجمن اساتذہ“ کے ضلعی نائب صدر اور جنرل سیکرٹری کے عہدوں پر بھی فائز رہے۔

ہیومین رائٹس ٹائم لائن شیخوپورہ کے موجودہ وائس چیئرمین ہیں، اس سے پہلے سیکرٹری اطلاعات اور ایڈیشنل جنرل سیکرٹری بھی رہ چکے ہیں۔

شاعری کی ابتداء

شاعری کے حوالے سے بات کی جائے تو اشرف نقوی کا یہ کہنا ہے کہ میں نے شعر گھڑنے کی پہلی کوشش ۱۹۷۷ء میں کی۔ اُس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ شعر کہنے کی یہ کوشش تو کامیاب نہ ہوسکی البتہ تُک بندی کا آغاز ہوگیا۔

بقول اشرف نقوی:

> ”جب میں نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو سیاسی شاعری کا رُجحان زیادہ تھا۔ اور وہ زمانہ بھی تحریک نظامِ مصطفیٰؐ کا زمانہ تھا۔ اُس وقت سیاسی شاعری پر سید امین گیلانی اور اُن کے بیٹے سید سلمان گیلانی کا راج تھا اور مجھے لکھنے کا شوق ان کی سیاسی نظموں سے ہوا اور میں نے شاعری کے حوالے سے پہلی کاوش ۱۹۷۷ء میں کی تھی۔ دوبارہ سے شعر کہنے کا آغاز ۱۹۸۱ء سے کیا اور ۱۹۸۳ء میں صنعت زار شیخوپورہ میں ایک کل پنجاب مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں میں نے اپنی زندگی کا پہلا مشاعرہ پڑھا تھا اور اس مشاعرے کی صدارت پروفیسر عبدالجبار شاکر مرحوم کر رہے تھے۔۔۔۔
> میری شاعری میں تلفظ اور بحروں کے حوالے سے بہت سے مسائل درپیش تھے مجھے یہ بات قبول

کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ میری شاعری میں ۱۹۹۱ء کے بعد نکھار آیا۔'' (۹)

اشرف نقوی نے ادبی رسائل و جرائد میں اپنی شاعری چھپوانے کا آغاز ۹۷۔۱۹۹۶ سے کیا۔ اور ملک کے موٴقر ادبی رسائل اور جرائد میں ان کا کلام با قاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

اشرف نقوی نے شاعری کی جن اصناف میں کام کیا اُن میں حمد، نعت، سلام، منقبت، غزل اور نظم کے علاوہ کچھ پنجابی غزلیں بھی شامل ہیں لیکن جس صنفِ سخن میں سب سے زیادہ کام کیا وہ غزل ہے۔ اشرف نقوی کا زیادہ تر انحصار اِسی صنفِ سخن پر ہے۔ اشرف نقوی نے چونکہ پنجابی زبان و ادب میں ماسٹر کی ڈگری لے رکھی ہے اس لیے انھوں نے اُردو کے ساتھ ساتھ پنجابی شاعری بھی کی ہے۔

اشرف نقوی شاعری میں اپنا تخلص ''اشرف'' استعمال کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سمیعہ نعیم، شیخوپورہ کی ادبی تنظیم "دریچہ" کی علمی و ادبی خدمات (مقالہ برائے ایم فل) جی سی یونیورسٹی فیصل آباد (۲۰۱۷ء) ص۹

۲۔ وجیہہ زہرا زیدی "اشرف نقوی کی ادبی خدمات (مقالہ برائے ایم فل) یونیورسٹی آف سرگودھا (۲۰۱۷ء) ص۶

۳۔ وجیہہ زہرا زیدی، "اشرف نقوی کی ادبی خدمات" ص۶

۴۔ عرفان علی، اشرف نقوی سے انٹرویو، ذاتی گفتگو، رہائش گاہ شیخوپورہ ۲۳/ جولائی ۲۰۲۴ء

۵۔ وجیہہ زہرا زیدی، "اشرف نقوی کی ادبی خدمات" ص۸

۶۔ عرفان علی، اشرف نقوی سے انٹرویو، ذاتی گفتگو، رہائش گاہ شیخوپورہ ۲۳/ جولائی ۲۰۲۴ء

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضا

باب دوم

اشرف نقوی کی ادبی خدمات

اشرف نقوی نے ادبی حوالے سے بہت کام کیا ہے۔ ادبی تنظیموں سے بھی وابستہ رہے اور ساتھ ساتھ کلام بھی لکھتے رہے۔ ان کا کلام مختلف رسائل و جرائد اور اخبارات میں بھی شائع ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ اصنافِ ادب میں اشرف نقوی نے غزل کی صنف کو منتخب کیا اور اسی کو اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا۔ انھوں نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی خدمات انجام دیں لیکن جو شہرت اور مقام و مرتبہ اُنھیں شاعری سے ملا وہ کسی دوسری سرگرمی سے نہیں ملا۔ اُنھوں نے شعری اصناف میں بھی غزل کو چُنا اور غزل ہی کی وجہ سے ادب کی دُنیا میں نام کمایا۔ صنفِ غزل اُن کی پسندیدہ ہے لیکن انھوں نے غزل کے علاوہ نظم، حمد، نعت، منقبت اور سلام میں بھی طبع آزمائی کی۔

شاعری کا آغاز

اشرف نقوی نے شاعری کا آغاز ۱۹۸۱ء میں کیا۔بقول سمیعہ نعیم:

"۱۹۸۱ء میں انھوں نے باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا۔" (۱)

شاہین عباس لکھتے ہیں:

" اشرف نقوی نے عین اُس وقت اپنے مجموعہ کلام کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے جب اسلوب کی دیوی چلمن کی اوٹ سے چھب دکھلاتی ملتفت دکھائی دی۔" (۲)

(آخرش:ص۱۳)

شاعری کے آغاز کے تقریباً ۲۶ سال بعد اُن کا پہلا مجموعہ غزل ۲۰۰۶ء میں "آخرش" کے نام سے شائع ہوا۔ ان کے اس مجموعہ غزل کو ادبی دُنیا میں بہت پذیرائی ملی اور ان کی شہرت میں کافی اضافہ ہوا۔

اشرف نقوی کا دوسرا شعری مجموعہ ''زادِ حرف'' کے نام سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔ اِس شعری مجموعے کی اشاعت سے بھی اشرف نقوی کی مقبولیت میں اضافہ ہوا اور ''زادِ حرف'' کا استقبال بھی ادبی دُنیا میں خوش دلی سے کیا گیا۔

اشرف نقوی کا تیسرا شعری مجموعہ حمد و نعت پر مشتمل ہے اور ''حرفِ مِدحت'' کے نام سے اِسی سال یعنی ۲۰۲۴ء میں شائع ہوا ہے۔ اسے بھی ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی مل رہی ہے اور ان کی اِس کاوش کو تحسین کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ مختلف ادبی شخصیات نے ''حرفِ مدحت'' کو تقدیسی ادب میں قابلِ قدر اضافہ قرار دیا ہے اور اسے بے حد سراہا ہے۔ ''حرفِ مدحت'' اشرف نقوی نے حضور نبی کریم ﷺ سے اپنی محبت کو بڑی عقیدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اشرف نقوی کے مجموعۂ غزل ''آخرش'' کا مقدمہ شاہین عباس نے ''اے مخاطب'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ شاہین عباس نے اشرف نقوی کی شاعری کا مجموعی جائزہ، اسلوب، شعری محاسن، غزل کی تعریف اور شعر گوئی کے حوالے سے بہت مفصّل گفتگو کی ہے۔

بقول شاہین عباس:

''شعر گوئی کا عمل اپنے اصیل عناصر کے اعتبار سے خیر و خبر کی سی زندگی بخش فضا سے مسلسل اور متواتر ہم آہنگی کا نام ہے۔ میں شعر و ناشعر کے مابین تفاوت یا دوئی کی لکیر کو اسی قلمِ خیر رساں کے موئے قلم کا شاہکار تصوّر کرتا ہوں۔ غزل کی روایت اپنے احوال و آثار کی حدود میں تاریخ و تہذیب کی ہم قدم بھی ہے اور ہم سر بھی۔ یوں دیکھا جائے تو غزل کہنا محض رسم نبھانا یا آواز میں آواز ملانا نہیں، بلکہ یہ تو زندگی کی گواہی دینے کا نام ہے، ایسی گواہی جو کہ شعر و وقت کے مابین موجود تعلق میں اضافے اور اثبات کا بیانیہ ہو اور جو تخلیقی عمل کو محض جذبات نگاری سے سرسری پن سے بلند تر کرتی ہوئی احساس کی سریت اور فکر کے اعماق تک لے جائے۔'' (۳)

(دیباچہ آخرش: ص۹)

"آخرش"چونکہ اشرف نقوی کا پہلا مجموعہ تھا، اِس لیے اُنھوں نے اس میں کسی بھی قسم کی گنجائش نہیں چھوڑی اور دل وجان سے اس پر محنت کی اور آخر کار ان کی یہ محنت رنگ لے آئی اور آج "آخرش" کا بھی ادب کی دُنیا میں اپنا الگ ہی مقام ہے۔ اُن کے اِس مجموعے کو شیخوپورہ کی معروف شخصیات، ارشد نعیم، نوید رضا اور شاہین عباس جیسے شعراء نے سراہا ہے اور اشرف نقوی کو داد دی ہے۔

شاہین عباس اشرف نقوی کے مجموعۂ غزل "آخرش" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"زیرِ نظر کتاب میں اشرف نقوی نے بھی اپنے باطن کے آدمی کو ظاہری چکاچوند کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ عصری موشگافیوں کے ردّ و قبول کا معاملہ اِسی شخص پر چھوڑ دیا ہے، کیوں کہ یہ شخص خدا کا زیادہ مقرب بندہ واقع ہوا ہے۔ سخن آباد کے قدیم و جدید آثار بتاتے ہیں کہ توفیق و عطا کی منزل پر باطن کے اِس آدمی کا وظیفہ زیادہ مؤثر اور دستِ دُعا زیادہ لائقِ لحاظ مانا گیا ہے۔"(۴)

(آخرش: ص۱۶)

اشرف نقوی کے مجموعہ غزل "آخرش" میں سے ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کچھ کارِ ہُنر کوزہ گرا! میرے، دکھا بھی
مٹی ہوں، مجھے گوندھ، مجھے چاک پہ لا بھی

سورج سے مِری دوستی جس دن سے ہوئی ہے
اُس دن سے خفا مجھ سے ہے سورج بھی دیا بھی

تھکتا نہیں اشرف میں کبھی لمبے سفر میں
ہو جاتا ہوں گھر بیٹھے کبھی آبلہ پا بھی(۵)

(آخرش: ص۲۸)

اشرف نقوی کی شاعری کسی کی نقل شدہ شاعری نہیں بلکہ ان کی شاعری میں ان کے اپنے احساسات، خیالات اور جذبات ہیں جنھیں اُنھوں نے غزل کے اشعار کا رنگ دے کر پیرایۂ اظہار کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ ان کی شاعری پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ تخیّل میں کس قدر ڈوب کر شاعری کرتے ہیں اور ایسے اشعار بھی کہہ جاتے ہیں جن میں حقیقی معنوں کے ساتھ ساتھ مجازی معانی بھی ہوتے ہیں اور آسان لفظوں کے ساتھ بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قاری کو کشمکش کا شکار نہیں ہونے دیتے۔

اشرف نقوی "زادِ حرف" میں "خود کلامی" کے عنوان سے اپنے مجموعہ کلام "آخرش" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "میں کون ہوں؟ اِس سوال کا جواب مجھے طویل سفر، ریاضت اور تپسیا کے بعد حاصل ہوا۔ خیال کی پُر خار وادیوں میں بھٹکتے بھٹکتے میرے پاؤں میں آبلے پڑے، دامن جھاڑیوں میں اُلجھا، چہرہ اور ہاتھ بھی زخمی ہوئے لیکن میں نے اپنی تلاش کا سفر جاری رکھا۔ اپنی تلاش اور کھوج میں نکلنا اور پھر مستقل مزاجی سے جنگلوں، صحراؤں، بستیوں، بیابانوں اور ویرانوں کی خاک چھاننا کوئی کارِ آسان نہیں، لیکن منزل کی جستجو اور خود کو پالینے کی آرزو اور لگن سر پر ایسی سوار رہی کہ مسلسل بیس برس تک میں دن رات کی پرواکیے بغیر چلتا رہا، چلتا رہا اور آخر کار ایک روز مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں تو اپنے پاس ہی موجود ہوں۔ مجھ پر یہ حقیقت آناً فاناً منکشف ہوئی۔ کچھ دیر تو میری آنکھیں خیرہ رہیں پھر آہستہ آہستہ آنکھیں روشنی کی عادی ہوئی تو دیکھا کہ میں ایک نئے سانچے میں ڈھلا ہوا ایسا انسان ہوں جس پر شعر و سخن کی دیوی مہربان ہے۔ سو میں نے اپنی پہچان اور شناخت کو برقرار رکھنے کے لیے "آخرش" کی صورت میں اپنے شعری تصوّر کو پیکرِ کتاب میں ڈھالا۔ "آخرش" نے مجھے میرے ہونے نہ ہونے کے مخمصے سے نکالا اور مجھے بتایا کہ تم ہو۔ اپنے ہونے کا یقین کرلو اور پھر سے نئی منزلوں کی جُستجو اور تلاش کا سفر شروع کرو۔ بس پھر کیا تھا! میں نے کمرِ ہمت باندھی اور ایک بار پھر نئے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔" (۶)(زادِ حرف:ص۲۰)

اِس طرح اشرف نقوی اپنا پہلا مجموعہ غزل "آخرش" لکھنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے شعری سفر کو مزید جاری رکھا اور اپنے دوسرے مجموعۂ غزل "زادِ حرف" کی کھوج میں نکل کھڑے ہوئے۔

اشرف نقوی "زادِ حرف" کے حوالے سے "زادِ حرف" میں خود کلامی کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"اب چونکہ میں اپنے آپ کو کسی حد تک پہچاننے بھی لگ گیا ہوں اور کسی حد تک راستوں سے آشنائی بھی ہو گئی ہے تو میں نے سوچا کہ کچھ دیر پڑاؤ کر لیا جائے۔ سو اِس پڑاؤ میں "آخرش" کے بعد کے سفر کی روداد سنانے کی جسارت کر رہا ہوں۔ زیرِ نظر کتاب "زادِ حرف" میرے اسی سفر کی رُوداد ہے۔ آپ کو یہ رُوداد کیسی لگی؟ اِس کا فیصلہ تو آپ اِس کے مطالعے سے خود ہی کر سکیں گے۔ میں بہر حال اپنی رفتار سے مطمئن ہوں۔"(۷) (زادِ حرف:ص۲۱)

اشرف نقوی نے "زادِ حرف" میں اپنے ادھورے سفر کی روداد کو مکمل کیا ہے۔ ایسا سفر جو اُنھوں نے "آخرش" سے شروع کیا تھا۔

وجیہہ زہرا زیدی لکھتی ہیں:

"آخرش" کے بعد منصّۂ شہود پر آنے والے شعری مجموعے "زادِ حرف" میں بھی اشرف نقوی نے اپنا معیار گرنے نہیں دیا اور قاری کو عمدہ، خوب صورت اور دل کش اشعار دیے۔ "زادِ حرف" کا مطالعہ قاری کو ایک خوش گوار حیرت میں مبتلا کرتا ہے اور وہ بہت سے مقامات پر ٹھہر کر واہ واہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔" (۸) (مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۰۷)

اشرف نقوی کے مجموعۂ غزل "زادِ حرف" میں سے ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خواہشِ وصل کو صورت وہ عطا کر دی ہے

ہجر پائندہ رہے ہم نے دعا کر دی ہے

آئینہ خانے پہ چڑھ دوڑے ہو پتھر لے کر

آئینوں نے کہو، کیا ایسی خطا کر دی ہے

خاک زادہ ہوں سو قسمت نے گواہی میری

ایک عالم میں مِری خاک اُڑا کر دی ہے

دشت لکھتا ہوں تو دریا ہی لکھا جاتا ہے

پیاس نے مجھ میں وہ ہلچل سی بپا کر دی ہے

ماوراہونے لگا جسم کی حد سے اشرف

جس نے اُس ذات میں گم اپنی انا کر دی ہے

(۹)(زادِ حرف:ص۳۴۔۳۳)

اشرف نقوی اپنے دوسرے مجموعۂ غزل ''زادِ حرف'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''آخر میں یہی کہنا چاہوں گا کہ ''زادِ حرف'' کے ذریعے میں نے خود کو پانے کا جو اِدراک حاصل کیا وہ لفظ بہ لفظ آپ کی نذر کر رہا ہوں، اِس یقین کے ساتھ کہ آپ صاحبِ بصارت بھی ہیں اور صاحبِ بصیرت بھی۔'' (۱۰) (زادِ حرف:ص۲۱)

اشرف نقوی نے غزلوں کے دو مجموعے ''آخرش'' اور ''زادِ حرف'' کے بعد حمد اور نعت کی طرف دھیان دیا اور مئی ۲۰۲۴ء میں ان کا مجموعۂ حمد و نعت ''حرفِ مِدحت'' شائع ہوا۔

ارشد نعیم اِس بارے میں رقمطراز ہیں:

''اشرف نقوی کی بنیادی پہچان ان کی غزل گوئی ہے اور ان کے دو شعری مجموعے ''آخرش'' اور ''زادِ حرف'' شائع ہو کر اہلِ نقد و نظر سے داد وصول کر چکے ہیں۔ اب انھوں نے حمد، نعت اور مناقب کے میدان میں قدم رکھا ہے تو عشقِ حقیقی کے تجربات کو بھی غزل ہی کی ہیئت میں صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔(۱۱) (حرفِ مدحت:ص۱۲۔۱۱)

اشرف نقوی کے ہاں حمد میں تنوع اور تازگی موجود ہے۔ اشرف نقوی نے توحید اور رسالت کے مرتبے کو ایک دوسرے کے ساتھ مدغم نہیں کیا بلکہ شریعت کے دائرے میں رہ کر مقامِ رسالت کو بھی ملحوظ رکھا اور شرعی غلطیوں سے بھی بچے رہے۔

اشرف نقوی کے کچھ حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

تو ہے وہ بحر نہیں جس کا کنارہ کوئی

اپنے بندوں کے مگر دل ہیں ٹھکانے تیرے

(۱۲) حرفِ مدحت: ص ۱۵

میری معراج ہے فقط اِس میں

ہو جبیں میری، آستاں تیرا

(۱۳) حرفِ مدحت: ص ۱۶

میں بس یہ جانتا ہوں کہ رگِ جاں سے قریں ہے تُو

تُو رب العرش ہے لیکن دِلوں کا بھی مکیں ہے تُو

(۱۴) حرفِ مدحت: ص ۱۹

یہ میری شاعری اُس کی ہی دین ہے اشرف

وہی تو سوچوں کو حُسنِ خیال دیتا ہے

(۱۵) حرفِ مدحت: ص ۲۳

ارشد نعیم لکھتے ہیں:

''حفیظ تائبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''نعت کے بہترین مضامین سیرت النبی ﷺ سے جڑے ہوئے واقعات اور اوصافِ نبی ﷺ کا والہانہ ذکر ہے کیوں کہ یہی عمل ہمیں حسّان بن ثابتؓ اور عہدِ نبوی کے دوسرے نعت گو شعراء کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ اُن کی نعت گوئی بعد میں آنے والوں کے لیے بہترین نمونہ اور اصول ہے۔''

اشرف نقوی نے بھی نعت گوئی کے فن میں ان تمام حدود و قیود کو ملحوظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ (۱۶) (حرفِ مدحت: ص ۱۳)

اشرف نقوی کی نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

والیِ کون و مکاں تیرے سِوا کوئی نہیں

ہر کسی پر مہرباں ، تیرے سِوا کوئی نہیں

باعثِ تخلیقِ عالم صرف تیری ذات ہے

مدّعائے کُن فکاں تیرے سِوا کوئی نہیں

سب سے پہلے نُور تیرا جگمگایا عرش پر

لفظِ کُن کا رازداں تیرے سِوا کوئی نہیں

تاج دارِ انبیاء اور رحمۃ اللعالمین

اے شفیعِ عاصیاں ! تیرے سِوا کوئی نہیں

میں بھی ہوں رحمت کا طالب ، مجھ پہ بھی کر دے کرم

میرا شاہِ اِنس و جاں! تیرے سِوا کوئی نہیں

تُو ہے افضل، تُو ہے اکمل اور تُو خیر البشرؐ

خوبیوں کا گلستاں تیرے سِوا کوئی نہیں

(۱۷)حرفِ مدحت:ص۴۴۔۴۵

نعت کہنے کا شرف صرف اُسی کو ملتا ہے جسے دربارِ عالی سے اِذن ملے۔ اشرف نقوی کو بھی دربارِ عالی سے اِذن ملا تو اُنھوں نے ''حرفِ مدحت'' کی شکل میں مجموعۂ حمد و نعت قارئینِ ادب کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حفیظ تائبؒ نے بہت درست فرمایا ہے:

نہ فکر کی جولانی نہ عرضِ ہُنر مندی

توصیفِ پیمبرؐ ہے توفیقِ خداوندی

(۱۸)حرف مدحت:ص ۱۲

اشرف نقوی نے شاعری کے علاوہ بھی بہت سی ادبی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے کئی کتابوں پر تبصرے اور مضامین لکھے۔ اشرف نقوی کا کلام کتابی شکل کے علاوہ انٹرنیٹ کی کئی ویب سائٹس پر موجود ہے۔ جن میں اُردو پوائنٹ ڈاٹ کام، ریختہ، بِہار اُردو یوتھ فورم، اُردو مزا ڈاٹ کام، فیس بک، انسٹاگرام اور پینٹریسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا حمدیہ، نعتیہ، سلامیہ اور منقبتی کلام بھی فیس بک پر موجود ہے۔ شاعری کے انتخاب کی مختلف کتابوں میں بھی ان کا کلام موجود ہے۔

اشرف نقوی کا ایک مضمون بعنوان "حیاتِ قائداعظم کے چند اوراق" ماہنامہ "تخلیقات" شیخوپورہ کے ستمبر ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا جس میں اشرف نقوی نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کی زندگی کے سنہرے واقعات اور اُن کی ملک و قوم کے لیے خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ اشرف نقوی لکھتے ہیں:

> "قائدِ اعظم نے مستقل مزاجی، محنت اور جدوجہد سے نہ صرف برِ صغیر کا نقشہ بدل دیا بلکہ مسلمانانِ برصغیر کے لیے ایک علیحدہ وطن کے حصول کو بھی ممکن بنایا۔ وقت کے پابند ہونے کے ساتھ ساتھ قائد اعظمؒ نہایت ہی اصول پسند بھی تھے۔"
>
> یہ مضمون اشرف نقوی کی قائدِ اعظم سے دلی محبت اور لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ اُنھوں نے قائدِ اعظم کے بہت سے واقعات اور ان کی تقاریر کو موضوع بنایا ہے۔(۱۹)

(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص ۱۰۰)

اشرف نقوی نے قائدِ اعظم کی زندگی سے وابستہ بہت سے سیاسی اور اُن کی اصول پسندی کے واقعات کو اپنے مضمون کا موضوع بنایا ہے جن سے قائد اعظم کی ذہانت، تدبر اور حکمت عملی کا اظہار ہوتا ہے۔

اشرف نقوی کا مختلف رسائل و جرائد سے منتخب کلام

"اشرف نقوی کی ایک غزل ماہنامہ "سخنور" کراچی کے جولائی ۲۰۰۰ء کے شمارے میں شائع ہوئی ۔اس غزل کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

چھلکتی آنکھ سے دیکھو کہ کیا نظارہ گرا

یہ چاند ٹوٹ کر آیا کوئی ستارہ گرا

تمھارے دل کے حسیں آسماں پہ چمکے گا

ہماری آنکھ سے آنسو اگر ہمارا گرا

شبِ سیاہ میں وہم و گماں کی جھولی سے

یقین بن کے نئے دن کا استعارہ گرا

بیاضِ جاں میں جو لکھے ہیں شعر اشرف نے

زمینِ دل پہ کبھی اُن کا اِک شمارہ گرا!

(۲۰)مقالہ وجیہہ زہرا زیدی: ص۱۰۱۔۱۰۲

" اشرف نقوی کی دو غزلیں سہ ماہی "عطاء" سالنامہ ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئیں۔ پہلی غزل کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

ہوا زمیں سے جدا اور آسماں سے الگ

تجھے میں چھوڑ کے ہونے لگا جہاں سے الگ

پڑا ہوا ہوں اِک ایسے عجیب عالم میں

جو ماورائے مکاں ہے تو لامکاں سے الگ

تِری طرح میں تِری زندگی میں شامل ہوں

کرے گا دوست مجھے تُو کہاں کہاں سے الگ

ہمیشہ مجھ کو اُسی میں رکھا گیا اشرف

جو ایک صف ہے یہاں بزمِ دوستاں سے الگ

دوسری غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

رنج ہستی کے اُٹھانے کے لیے آیا ہوں

میں یہاں ہجر کمانے کے لیے آیا ہوں

تجھ سے ہونے کا نہیں کارِ محبت تنہا

سو ترا ہاتھ بٹانے کے لیے آیا ہوں

میں گئے وقت کی صورت نہیں آنے والا

بس یہی بات بتانے کے لیے آیا ہوں

شاعری گویا کہ ہے دشت نوردی اشرف

سو یہاں خاک اُڑانے کے لیے آیا ہوں

(۲۱)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی: ص۱۰۳)

"اشرف نقوی کا کلام بعنوان "سلامِ عقیدت بحضور امامِ عالی مقامؑ ماہنامہ "سخنور" کراچی کے ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا جس کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

حق گوئی کی دلیلِ منور حسینؑ ہے

ظلمت میں روشنی کا پیمبر حسینؑ ہے

صبر و رضا ہی جس کی متاعِ حیات تھی

تصویر وہ وفا کی سراسر حسینؑ ہے

ہر دَور میں رہے گا مقابل یزید کے

باطل کی بد نصیبی کا مظہر حسینؑ ہے

پُھوٹی تھی کربلا میں شہیدوں کے خون سے

خوش بو رضا کی، جس سے معطّر حسینؑ ہے

اشرف اُسی کے نام سے نسبت رہے مجھے

میـــری عقیدتوں کا تو محور حسینؑ ہے

(۲۲)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی: ص ۱۰۲)

اشرف نقوی کی ایک نعتِ رسولؐ پندرہ روزہ ''روشنی'' کے نومبر ۲۰۰۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی جس کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

شام و سحر کو میرے، اُجالوں سے بھر دیا

مجھ بے ہنر کو اعلیٰ کمالوں سے بھر دیا

اپنی ثنا کی مجھ کو سعادت اُنھوں نے دی

اِس ذہنِ نارسا کو خیالوں سے بھر دیا

اُن کی عطائے خاص ہے یہ نورِ آگہی

بابِ دیارِ عـــلم کمالوں سے بھر دیا

یہ کائنات پہلے تو بے رنگ و رُوپ تھی

حُسنِ نبیؐ نے اِس کو جمالوں سے بھر دیا

اشرف ابد نشاں ہے جو سیرت نبیؐ کی ہے

قرآں کو رب نے اُن کی مثالوں سے بھر دیا

(۲۳)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی: ص۱۰۹۔۱۱۰)

اشرف نقوی کا ایک مضمون بعنوان ''یادِ رفتگاں'' پروفیسر سیّد خورشید حسین بخاری مرحوم'' ۴ فروری ۲۰۰۵ء کے روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کے ادبی صفحہ پر شائع ہوا۔ چونکہ پروفیسر سیّد خورشید حسین بخاری اشرف نقوی کے اُستاد بھی تھے اور اشرف نقوی اُن کی شخصیت سے متأثر بھی تھے اس لیے اس مضمون کے ذریعے اشرف نقوی نے اُنھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''پروفیسر خورشید حسین بخاری کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ وہ ایک معروف دانشور، محقق، ادیب اور ماہرِ تعلیم ہی نہیں بلکہ اعلیٰ اوصاف سے متّصف ایک خوب صورت انسان بھی تھے۔'' (۲۴)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی: ص۱۱۲)

اشرف نقوی کی ایک اور غزل ہفت روزہ اخبار ''نائب اللہ'' میں شائع ہوئی جس کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

ہم جو اپنی زمیں پہ زندہ ہیں

کس گمان و یقیں پہ زندہ ہیں

گم ہوئے ایسی حیرتوں میں ہم

اب جہاں ہیں وہیں پہ زندہ ہیں

(۲۵)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی: ص۱۱۲)

اشرف نقوی کی ایک غزل کے چند اشعار روزنامہ جنگ لاہور کے ادبی ایڈیشن کے کالم ''نئی آوازیں'' میں یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء کو شائع ہوئے۔ اس کالم میں نئے لکھنے والے شعراء کو متعارف کروایا جاتا تھا اور اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ اشرف نقوی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

جب ہمیں معلوم ہے طارق نہیں ہم میں کوئی

کر دیے ہیں نذرِ آتش پھر سفینے کس لیے

سوچتا ہوں شہر کے غربت کدوں کو دیکھ کر

غم کے یہ کوچے بسائے آدمی نے کس لیے

یادِ ماضی ، عہدِ حاضر اور مستقبل کا خوف

تین ساتھی چُن لیے ہیں زندگی نے کس لیے

(۲۶)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص ۱۱۴)

اشرف نقوی کی ایک نظم ماہنامہ ''غنیمت'' لاہور میں شائع ہوئی۔ ماہنامہ ''غنیمت'' ایک معیاری ادبی پرچہ تھا جس کے مدیر زمان کنجاہی (مرحوم) تھے۔ وہ پرچے میں شائع ہونے والی تحریروں کے معیار پر سمجھوتہ نہیں

کرتے تھے۔ ماہنامہ ''غنیمت'' میں شائع ہونے والی اشرف نقوی کی اِس نظم کا عنوان تھا: ''ناممکنات کے تعاقب میں'' ۔ نظم کے عنوان سے ظاہر ہے کہ شاعر ایک ہی منظر دیکھ دیکھ کر اُکتا گیا ہے اور کوئی نیا منظر دیکھنا چاہتا ہے جس میں امید کی روشنی بھی ہو اور ظلم و ناانصافی کی اندھیری رات بھی نہ ہو بلکہ کائنات بھی ایسی ہو جس میں ہر طرف سچائی اور انصاف ہر منظر میں پوری طرح جلوہ گر ہو۔ نظم ملاحظہ ہو:

ناممکنات کے تعاقب میں

بھٹک رہی ہیں ہماری آنکھیں

اِک ایسے منظر کی جستجو میں

جسے خدا نے ازل سے اب تک

کسی زمیں پر نہیں اُتارا

کسی خلا میں، کسی افق پر

کسی فلک پر نہیں اُبھارا

مگر یہ آنکھیں

یہ پاگل آنکھیں

بس اپنی دُھن میں لگی ہوئی ہیں

بہت بلندی پہ اُڑ رہی ہیں

کہ منظرِ بے نشاں کو جیسے

خلا سے آگے تلاش کر لیں گی

مگر اِنھیں یہ خبر نہیں ہے

کہ چھوٹے چھوٹے پرندے اکثر

اِسی لگن میں، تھکن سے چُور اور نڈھال ہو کر

گِرے زمیں پر

یا پھر خلاؤں کی وسعتوں میں ہی کھو گئے ہیں

مگر یہ آنکھیں

ہماری آنکھیں

بس اپنی ضد پر اَڑی ہوئی ہیں

سو اب اِن آنکھوں کو مشورہ ہے

کہ اپنی دھرتی کے منظروں پر گزارہ کرلیں

بنالیں زخموں کو پھول

اشکوں کو جگنو کرلیں، ستارہ کرلیں

یہی زمینی حقیقتیں ہیں

کہ جن پہ چلنا ہی عصرِ حاضر میں لازمی ہے

مگر کریں کیا، ہماری آنکھیں۔۔۔۔۔۔۔

یہ پاگل آنکھیں

بس اپنی دُھن میں لگی ہوئی ہیں (۲۷)

(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی: ص۱۱۵۔۱۱۶۔۱۱۷)

اشرف نقوی کی ایک اور نظم ماہنامہ ''غنیمت'' ہی کے ایک اور شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ جس کا عنوان ''بے حسی'' ہے۔ اشرف نقوی نے اس نظم میں زندگی کے تلخ حقائق سے پردہ اُٹھایا اور زندگی کی بے حسی کو اِس نظم کا موضوع بنایا ہے۔

بے حسی

ایک مدت سے زندگی کا سفر

کچھ رُکا سا، تھما تھما سا ہے

اور منظر تمام پیشِ نظر

حرکتِ زندگی سے عاری ہیں

سر پہ سورج تپش سے خالی ہے

چاند--------

تاریکیوں میں ڈوبا ہوا

ایک شب-------

اور وہ بھی اِتنی طویل

اِک صدی بھی ہو جس کے آگے قلیل

اب تو لگتی ہے کائنات مجھے

ایسا منظر

کہ جس میں کچھ بھی نہیں

صرف اندھیرا ہے-------

اور اندھیرا ہے------

میں بھی ایسا ہی ایک منظر ہوں

اپنی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا

ایک تصویر کی طرح ساکت

سوچ مفلوج، جذبے پژمردہ

سانس گویا حلق میں اٹکی ہوئی

اور پہلو میں دل، مگر پتھر

گویا پورا وجود ہی شل ہے

ایک منظر ہر ایک سمت رواں

ہر طرف ایک سی کہانی ہے (۲۸)

(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۱۷۔۱۱۸)

ان کے علاوہ اشرف نقوی کی نظمیں اور غزلیں جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئیں اُن کے حوالے سے وجیہہ زہرا لکھتی ہیں:

"ماہنامہ "سخنور" کراچی کے اپریل ۲۰۰۱ء کے شمارے میں اشرف نقوی کی غزل شائع ہوئی۔"
(۲۹)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۱۸)

"ماہنامہ "تخلیقات" کے ستمبر ۱۹۹۹ء کے شمارے میں اشرف نقوی کی غزل شائع ہوئی۔" (۳۰)
(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۱۹)

"ماہنامہ بیاض لاہور کے مئی ۲۰۱۰ء کے شمارے میں اشرف نقوی کی دو غزلیں شائع ہوئیں۔(۳۱)
(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۲۰)

"ماہنامہ بیاض لاہور کے اکتوبر ۲۰۰۴ء کے شمارے میں اشرف نقوی کی دو غزلیں شائع ہوئیں۔(۳۲)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۲۲)

"ماہنامہ نیرنگِ خیال راولپنڈی کے دسمبر ۲۰۰۸ء کے شمارے میں اشرف نقوی کی دو غزلیں شائع ہوئیں۔(۳۳)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۳۰)

"اشرف نقوی اِس دور میں وفادار لوگوں کو تلاشنے کی کھوج میں ہیں مگر لوگوں میں وفا برائے نام رہ گئی ہے۔ اُنھوں نے اپنے اشعار میں محرومی اور یاسیت کو ظاہر کیا ہے اور بہت خوب صورتی سے ردیف و قافیہ کا استعمال کیا ہے۔" (۳۴) "ماہنامہ بیاض" لاہور کے مئی ۲۰۱۰ء کے شمارے میں اشرف نقوی کی دو غزلیں شائع ہوئیں۔(۳۵)(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص۱۳۰)

"ماہنامہ "بیاض" کے دسمبر ۲۰۱۲ء میں اشرف نقوی صاحب کی غزلیں اور خط شائع ہوا۔(۳۵)
"ماہنامہ بیاض لاہور کے مئی ۲۰۱۰ء کے شمارے میں اشرف نقوی کی دو غزلیں شائع ہوئیں۔(۳۶)
(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی:ص ۱۱۰)

اشرف نقوی اب رسائل اور جرائد میں کلام کم کم بھیجتے ہیں۔ اب اشرف نقوی گھر پر ہی رہتے ہیں اور اپنا زیادہ وقت مطالعہ اور ادبی سرگرمیوں میں صرف کرتے ہیں یا پھر شعر کہتے ہیں۔

* * * * * * * * * * * * * *

حواشی

۱۔ سمیعہ نعیم، ''شیخوپورہ کی ادبی تنظیم ''دریچہ'' کی علمی وادبی خدمات'' (مقالہ برائے ایم فل، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد)، ۲۰۱۷ء ص۹

۲۔ اشرف نقوی، ''آخرش''، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۶ء، ص۱۳

۳۔ ایضاً ؛ص۹

۴۔ ایضاً ؛، ص۱۶

۵۔ ایضاً ؛، ص۲۷۔۲۸

۶۔ اشرف نقوی، '' زادِ حرف''، لاہور، انحراف پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص۲۰

۷۔ ایضاً، ص۲۱

۸۔ وجیہہ زہرا زیدی، ''اشرف نقوی کی ادبی خدمات'' (مقالہ برائے ایم فل۔ یونیورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۱۷ء ص۱۰۷

۹۔ اشرف نقوی، ''زادِ حرف'' ص۳۳۔۳۴

۱۰۔ ایضاً ؛۔ص۲۱

۱۱۔ اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، شیخوپورہ، فرح پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء، ص۱۱۔۱۲

۱۲۔ ایضاً ؛۔ص۱۵

۱۳۔ ایضاً ؛۔ص۱۶

۱۴۔ ایضاً ؛۔ص۱۹

۱۵۔ ایضاً ؛۔ص۲۳

۱۶۔ اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت'' ص۱۳

۱۷۔ اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، ص ۴۴۔۴۵

۱۸۔ ایضاً ۔ص ۱۲

۱۹۔ وجیہہ زہرا زیدی، اشرف نقوی کی ادبی خدمات، ص ۱۰۰

۲۰۔ ایضاً ۔ص ۱۰۱۔۱۰۲

۲۱۔ ایضاً ۔ص ۱۰۳

۲۲۔ ایضاً ۔ص ۱۰۲

۲۳۔ ایضاً ۔ص ۱۰۹۔۱۱۰

۲۴۔ ایضاً ۔ص ۱۱۲

۲۵۔ ایضاً ۔ص ۱۱۲

۲۶۔ ایضاً ۔ص ۱۱۴

۲۷۔ ایضاً ۔ص ۱۱۵۔۱۱۶۔۱۱۷

۲۸۔ ایضاً ۔ص ۱۱۷۔۱۱۸

۲۹۔ ایضاً ۔ص ۱۱۸

۳۰۔ ایضاً ۔ص ۱۱۹

۳۱۔ ایضاً ۔ص ۱۲۰

۳۲۔ ایضاً ۔ص ۱۲۲

۳۳۔ ایضاً ۔ص ۱۲۲

۳۴۔ وجیہہ زہرا زیدی، اشرف نقوی کی ادبی خدمات، ص ۱۳۰

۳۵۔ وجیہہ زہرا زیدی، اشرف نقوی کی ادبی خدمات، ص ۱۱۰

۳۶۔ عرفان علی، اشرف نقوی سے انٹرویو، ذاتی گفتگو، رہائش گاہ، شیخوپورہ، ۱۸ اگست، ۲۰۲۴ء

باب سوم

اشرف نقوی کی غزل گوئی

اشرف نقوی کا شمار بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کی ابتداء میں نمایاں ہونے والے شعراء میں ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کی شاعری کی ابتداء اسّی کی دہائی کے وسط میں ہوئی لیکن ان کی پہچان نوّے کی دہائی میں ہوئی اور اکیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی ان کا شمار ملک کے معروف شعراء میں ہونے لگا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اکیسویں صدی کی ابتداء میں جو شاعر پاکستان کے ادبی حلقوں میں اپنی پہچان بنا چکے تھے اشرف نقوی بھی اُن میں سے ایک ہیں۔ اشرف نقوی کا تعلق وارث شاہ کی دھرتی شیخوپورہ سے ہے۔ ان کے ہم عصر شعراء میں سے شاہین عباس، ارشد نعیم اور نوید رضا پہلے ہی نمایاں اور متحرک تھے۔ بعد ازاں اشرف نقوی بھی اِس گروہِ شاعراں میں شامل ہو گئے۔ معروف نقاد اور شاعر ڈاکٹر ضیاء الحسن کے بقول:

> ''اشرف نقوی کا شمار اکیسویں صدی میں نمایاں ہونے والے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق شیخوپورہ سے ہے۔ ان سے پہلے شیخوپورہ سے شاہین عباس، ارشد نعیم اور نوید رضا اپنی شعری صلاحیتوں کی داد اہلِ ادب سے وصول کر چکے ہیں۔''(زادِ حرف، ص۱۱)

اشرف نقوی کے کلام میں فنی پختگی پائی جاتی ہے اور ان کا اُسلوب دلکش، عمدہ اور منفرد ہے۔ جس سے ان کی شاعری پڑھنے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ اشرف نقوی نے شعر کہنے کے لیے عمومی طور پر چھوٹی بحروں کا استعمال کیا ہے۔ ان کی شاعری سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن کے مطابق اشرف نقوی کی تقریباً پچاس فیصد غزلیں چھوٹی بحر میں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> اشرف نقوی نے تقریباً پچاس فیصد غزلیں چھوٹی بحر میں کہی ہیں، طویل بحر میں ایک غزل بھی نہیں کہی۔'' (زادِ حرف، ص۱۶)

اشرف نقوی کا شمار عہدِ حاضر کے اُن نامور شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے کام اور اپنے اسلوبِ بیان اور تازہ کاری کی بدولت اپنی پہچان کروائی اور ادبی حلقوں میں نام بناتے ہوئے ادبی منظر نامے پر اپنی چھاپ چھوڑی۔ پروفیسر گلزار بخاری نے بھی اشرف نقوی کی ادبی خدمات کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

"دورِ حاضر کے ادبی منظر نامے میں جو شعراء شیخوپورہ کے افق پر جلوہ افروز ہیں اور اپنے کام کے ذریعے نام بنا چکے ہیں اُن میں دیگر شعراء کے ساتھ ساتھ ارشد نعیم، نعیم گیلانی، اظہر عباس اور اشرف نقوی جیسے تازہ کار شاعر شامل ہیں۔ اشرف نقوی نے غزل کے مروّجہ نظام کے اندر رہتے ہوئے اپنی اپج کا اظہار کیا ہے۔

اشرف مِرے لیے تو قیامت کی ہے گھڑی

یہ وقت جو کسی سے جدائی کا وقت ہے

ایسے اشعار پڑھ کر احمد مشتاق یاد آتے ہیں لیکن اشرف نقوی کی زبان و بیان پر گرفت سامنے آتی ہے۔ " (مقالہ ایم فل، مظہر علی وِرک، ص۲۰۱)

اشرف نقوی ایک خوش فکر شاعر ہیں ان میں شعری ذوق تو زمانۂ طالب علمی میں ہی پیدا ہو گیا تھا مگر ان کی شاعری میں نکھار بیسویں صدی کے آخری عشرے میں آیا۔ انھوں نے سیاسی اور مارشل لائی حکومتوں کو قریب سے دیکھا ہے بقول اُن کے مجھے اخبار پڑھنے کی عادت بچپن سے تھی جس سے مطالعے کی عادت کو جِلا ملی۔ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے رسالوں سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ اُردو ڈائجسٹ اور دیگر ڈائجسٹوں تک پھیلتا چلا گیا۔

اشرف نقوی نے اُس دور میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کو غور سے دیکھا اور محسوس بھی کیا۔ اسی وجہ سے اُن کی شاعری میں عصری شعور اور روایت کے ساتھ جدت کا امتزاج نظر آتا ہے۔ انھوں نے ان تبدیلیوں کو اپنی شاعری کا حصہ بھی بنایا۔ بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں لیکن نظم کہنا بھی اُن کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔ انھوں نے غزل گوئی سے آغاز کیا لیکن ساتھ ساتھ حمد اور سلام و منقبت بھی کہتے رہے۔ اُن کا پہلا غزلوں کا مجموعہ "آخرش کے نام سے منظرِ عام پر آیا جبکہ دوسرا مجموعۂ غزل "زادِ حرف" کے نام سے منصۂ شہود پر آیا۔ "زادِ حرف" میں اشرف نقوی کی شاعری پر ڈاکٹر ضیاء الحسن کا تفصیلی مضمون موجود ہے۔ جبکہ ڈاکٹر اشفاق احمد وِرک کی رائے بھی اس شعری مجموعے میں موجود ہے جس میں اُنھوں نے ہلکے پھلکے انداز میں اشرف نقوی کی شاعری کے حوالے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ اپنے مضمون کے آخری حصّے میں لکھتے ہیں:

"میرے ایک بے تکلّف دوست ایک دن ان کی ظاہری جوانی دیکھ کر فرمانے لگے: تمھارے اِس دوست نے غلط شُعبے کا انتخاب کیا ہے۔ یہ اگر آنکھیں بند کر کے بھی داداگیری کی طرف آجاتا تو پورے علاقے کے کن ٹُٹّے اس کے سامنے پانی بھرتے نظر آتے۔ میں نے عرض کیا:

دھیرج رکھو میرے دوست! یہ اگر اِس میدان میں بھی اِسی استقامت سے ڈٹا رہا تو بہت جلد اس کی اپنی نسل کے بے شمار شاعر، ادیب اس کے سامنے پانی بھرتے نظر آئیں گے۔"

(زادِ حرف، ص۱۹)

اشرف نقوی کی شاعری میں استحصالی قوتوں کے خلاف احتجاج موجود ہے لیکن یہ احتجاج بے باکانہ نہیں اور نہ ان کی شاعری نعرہ بن کر رہ گئی ہے بلکہ وہ اپنی شاعری میں دبے لفظوں میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی شاعری غمِ جاناں کی بجائے غمِ دوراں کا بیانیہ بن کر سامنے آتی ہے۔ روایت کے ساتھ ان کی شاعری میں تازگی اور شائستگی پائی جاتی ہے۔ وہ سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر شعر کہتے ہیں اور سیاست اور اہلِ سیاست کی ریشہ دوانیوں کو نہایت خوب صورتی اور انوکھے ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ انقلابی نہ ہو کر بھی انقلابی ہیں۔

اشرف نقوی کا شمار غزل کے نمایاں شعراء میں ہوتا ہے اور بطور غزل گو اُن کا اسلوب اور اندازِ بیاں اُنھیں اپنے عہد کے شعراء میں نمایاں کرتا ہے۔

ڈاکٹر خالد ندیم اشرف نقوی کی شاعری کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"گزشتہ صدی کے نویں عشرے میں منظرِ عام پر آنے والے اُردو شعراء میں اشرف نقوی کا شمار اُردو شاعری، بالخصوص اُردو غزل کے نمائندہ شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ان کے اسلوب کی برجستگی، بحروں کا انتخاب، ردیف قافیے کی نُدرت، مصارع کی چُستی اور مضامین کا تنوّع اپنے ہم عصروں میں نمایاں کرتا ہے۔" (فلیپ "حرفِ مدحت")

کہا جاتا ہے کہ اہلِ عرب فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ تھے اور شاعری اُن کی نمایاں خوبی ہوتی تھی۔ شعری ذوق عربوں میں بہت زیادہ تھا۔ اگر عربوں کی شعری روایت کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں بہت سے نابغۂ روزگار شاعر نظر آتے ہیں۔ عربوں سے شاعری کی روایت ملکِ فارس یعنی ایران میں پہنچی۔ ایران سے ہوتی ہوئی یہ شعری روایت قصیدہ، مرثیہ، ہجو اور غزل کی صورت میں برِصغیر میں وارد ہوئی۔ فارسی سے اُردو تک کے سفر میں شاعری میں بہت سے تغیرات آئے۔ قلی قطب شاہ سے لے کر ولی دکنی تک اور ولی دکنی سے لے کر میر تقی میر تک اور میر سے لے کر غالب تک اُردو شاعری خصوصاً غزل نے بہت سے تغیرات و تبدل دیکھے۔ غزل کے ہر ارتقائی دور میں شعراء نے اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ لیکن "جس دیئے میں جان ہو گی وہ دیا رہ جائے گا" کے مصداق بے شمار شعراء میں سے وہی نمایاں اور ممتاز ہوئے جنھوں نے اپنا الگ رستہ بنانے کی

کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔ ہر دور میں شعراء کی ایک بہت بڑی تعداد موجود رہی ہے لیکن حالی، اقبال، ناصر کاظمی اور فیض احمد فیض ہونا ہر ایک کو نصیب نہیں ہوا۔

عہدِ حاضر میں بھی شعراء کی ایک بہت بڑی تعداد مشقِ سخن میں مصروف ہے۔ لیکن نمایاں اور ممتاز وہی ہوا جس نے اپنا انداز اور اسلوب جداگانہ رکھنے کی سعی کی۔ اشرف نقوی شاعروں کے ایسے ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

عطاءالحق قاسمی اشرف نقوی اور ان کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اِن دنوں شہرِ ادب میں جس طرف نظر اُٹھایئے شعرا کا ایک ہجوم نظر آتا ہے یعنی ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں والا معاملہ ہے۔ ان میں اکثریت تو اُن شعرا کی ہے جو شاعری کا مستقبل مخدوش بنانے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں مگر صورتِ حال اِتنی مایوس کُن بھی نہیں ہے کہ شاعری سے مُنہ موڑ لیا جائے۔ اِس بھیڑ میں بھی کبھی کبھی کوئی ایسی آواز ہوتی ہے جس کو سُننے کو جی چاہتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا کلام بھی سامنے آتا ہے جس کو پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ شعرا کے اس قبیلے کا ایک فرد اشرف نقوی ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری پڑھتے ہوئے پہلے تو آپ چونکتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ مسحور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا روایتی ڈکشن پس منظر میں رہتا ہے اور اس کا جدید طرزِ احساس اس کے جذبے اور خلوص کے ساتھ آمیز ہو کر قاری کے دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ وہ محبت کی شاعری بھی کرتا ہے تو یوں کہ محبت کی شاعری کرنے والوں میں نمایاں نظر آنے لگتا ہے۔ اگر وہ اسی سنجیدگی سے اپنا شعری سفر جاری رکھے تو بہت جلد وہ اہم شعرا کی صف میں شامل ہو سکتا ہے۔'' (آخر شِ،فلیپ)

اشرف نقوی کی شاعری میں استعارے، تلمیحات، علامتیں، تلازمات اور پیکر تراشی انفرادی ہونے کے باوجود اجتماعی احساسات اور آفاقی تجربات کی عکاسی کرتے ہیں جو اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ غیر معمولی قوتِ ایجاد و اختراع کے مالک ہیں۔ اُن کی تازہ اور نادر تراکیب اُن کی شاعری کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ اُن کے ہاں نادر استعارات اور ترکیب سازی کی کمی نہیں ہے۔ اُن کی تازہ کاری اور نادر ترکیب سازی الفاظ کے طلسماتی محلّات کے ساتوں در وا کر دیتی ہے۔ اُن کی شاعری میں انسانی دُکھ درد، اس کی محرومیوں، تمناؤں، انسانی رشتوں کی پیچیدگیوں پر احتجاج اور انکار کے علاوہ مزاحمت کے بھی زندہ نقوش ملتے ہیں۔ شاعر کے دل میں ہمدردی کا گہرا جذبہ موجزن ہے۔ ان کے اشعار میں سچائی، کائنات کی خوب صورتی، دکھی انسانیت سے ہمدردی کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ وہ اپنے احساسات کو رنگوں اور شبیہوں کے حوالے سے بیان کرنے کا ہنر

بہتر طور پر جانتے ہیں کیونکہ کسی بھی تجربے یا کیفیت کے اظہار میں تاثیر اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کیفیت کو محسوس کیا جائے۔

امجد اِسلام امجد اشرف نقوی کی غزل گوئی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"غزل شاید اُردو ادب کی واحد صنفِ سُخن ہے جو جس قدر خوب صورت ہے اس سے زیادہ خوش بخت ہے کہ گزشتہ تین سو برس میں شاید ہی کوئی ایسازمانہ ہو جب اس میں تازہ اور صحت مند خون کی آمد کا تسلسل ٹوٹا ہو۔ اس کی ایک زندہ مثال اشرف نقوی کا یہ مجموعہ کلام ہے جس کی غزلوں سے قطعاً یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی تازہ وارد کا کلام ہے۔ موضوعات کا انتخاب، فکری تازگی، فنی گرفت، اِظہار کی قوت، بے ساختگی اور ردیفوں کا ماہرانہ استعمال ایسا ہے کہ قاری اسے پڑھ کر چونکتا بھی ہے اور ایک ایسی جذباتی آسودگی بھی محسوس کرتا ہے جو کسی بھی اچھے فن پارے کے اندر خون کی طرح گردش کرتی ہے۔ کسی بھی نوجوان شاعر سے یہ توقع رکھنا کہ اُس کا سارا تخلیقی جوہر ابتدا ہی میں اپنے امکانات کو تفصیل سے ظاہر کر دے گا، ایک خلافِ عقل بات ہے کہ فن کار کا تخلیقی ارتقا وقت کے ساتھ نہ صرف اپنے امکانات دریافت کرتا ہے بلکہ اپنے مخصوص لہجے اور طرزِ فکر کی تعمیر بھی کرتا ہے۔ اشرف نقوی کو بھی ہر اچھے اور فطری شاعر کی طرح اِس امتحان سے گزرنا ہوگا۔ فی الوقت جو چیز اسے اپنے ہم عصروں میں ممتاز کر رہی ہے وہ اس کی اُٹھان کا انداز ہے۔ جہاں تک اس کے پروں کی طاقت اور آئندہ موسموں کا تعلق ہے اس کا حساب کتاب اپنے وقت پر ہوگا البتہ ایک اچھے آغاز کی داد اس کا حق ہے جو اسے ملنا چاہیے۔"
(آخرِش، بیک فلیپ)

جدید غزل فکر اور اِظہار کے اعتبار سے کلاسیکی غزل سے مختلف اور منفرد ہے۔ اس بدلی ہوئی صورت حال کی نشان دہی اُسی وقت ممکن ہے جب کلاسیکی غزل کے تمام رنگ سامنے ہوں۔ جدید غزل روایت اور جدت کا حسین امتزاج ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اشرف نقوی کی غزل جدت اور روایت کو ساتھ ساتھ لے کر چلتی ہے۔ اُن کی غزل کے موضوعات میں تنوّع اور انفرادیت پائی جاتی ہے۔

اشرف نقوی جدید غزل میں اپنا ایک مقام پیدا کر چکے ہیں۔ وہ ایسے شعراء میں سے ہیں جنھوں نے جدید غزل میں اپنا نام اور مقام بنایا ہے۔ اپنے کام سے وہ ملک کے ادبی حلقوں میں ایک نام اور مقام پیدا کر چکے ہیں۔ دو شعری مجموعوں اور بعد کی شاعری پر مشتمل اُن کا کلام حلقۂ ادب میں شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اب اُن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک اشرف نقوی کی غزل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''جدید اُردو غزل میں اشرف نقوی کا نام اب تعارف سے نکل کر معارف میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ شاعری میں ریا سے زیادہ ریاضت کے قائل ہیں۔ اُن کی اِس ریاضت کے پیچھے مطالعے کی تاثیر، مشاہدے کی تنویر اور فنی مہارت کی توقیر نہایت مناسب انداز سے جلوہ گر ہوتی ہے۔ (ماہنامہ ''الحمرا'' ص۵۷)

علمِ بدیع کی اصطلاح میں تضاد کے معنی ایسے الفاظ کا استعمال ہے جو معانی و مفہوم میں ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کے مقابل ہوں۔ اِس کی دو قسمیں ہیں:

پہلے نمبر پر ''تضادِ ایجابی'' ہے۔ متضاد الفاظ کے ساتھ اگر حرفِ نفی استعمال نہ ہو تو اُسے تضادِ ایجابی کہتے ہیں جیسے خزاں اور بہار ایک دوسرے کی ضد ہیں، رات اور دن ایک دوسرے کے اُلٹ ہیں۔ خیر و شر، نیکی و بدی، سچ اور جھوٹ سے لے کر ایٹم کے مثبت اور منفی چارج تک کائنات اِسی تضاد سے وجود رکھتی ہے اور یہی تضاد اِسے قائم رکھے ہوئے ہے۔ دوسرے نمبر پر تضادِ سلبی یا تضادِ سلیس ہے۔ جب دو لفظ ایک مادے یا مصدر سے مشتق ہوں جن میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہو تو اسے تضادِ سلبی یا تضادِ سلیس کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں متضاد الفاظ میں سے ایک کے ساتھ صرف نفی استعمال ہوگا۔ اشرف نقوی کے کلام میں بھی صنعتِ تضاد کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اشرف نقوی نے اپنے کلام میں صنعتِ تضاد سے اتنا زیادہ کام لیا ہے کہ جیسے تخلیقی منطق ہی اس سے ماخوذ ہو۔ ان کے بہت سے اشعار میں صنعتِ تضاد کی خوب صورت مثالیں موجود ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن نے اشرف نقوی کے کلام میں صنعتِ تضاد کے استعمال کے حوالے سے خوب صورت تجزیہ پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اشرف نقوی نے Paradox / قولِ محال اور اگر روایتی زبان میں بات کی جائے تو صنعتِ تضاد سے اِتنا کام لیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کہ ان کی تخلیقی منطق ہی اِس صنعت سے ماخوذ ہے۔ ویسے تو پوری کائنات کا وجودی اصول یہی ہے۔ خیر و شر، نیکی بدی، دن رات، جھوٹ سچ سے لے کر

ایٹم کے منفی اور مثبت چارج تک کائنات اِسی تضاد سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ اشرف نقوی کے ناقابلِ شمار اشعار اِسی شعری کمال سے وجود حاصل کرتے ہیں:

خاموشی سے کلام کیا اور چپ رہا

میں نے سخن مُدام کیا اور چپ رہا

کہیں اپنے اُجالوں کو نہ کھالے

اندھیروں سے لپٹتی روشنی بھی

ہجرت و ہجر کی فراوانی

زندہ رکھتی نہ مارتی ہے مجھے

دِن گزارا ہے ایک ہی پل میں

شب صدی کی طرح بِتانی ہے

خوشی کو چھوڑ کے آزار کی طرف آیا

میں ایک دشت سے گھر بار کی طرف آیا

(زادِ حرف، ص١٦) ۹

اشرف نقوی نے اِن اشعار میں بہت خوب صورتی کے ساتھ صنعتِ تضاد کا استعمال کیا ہے جو مندرجہ بالا واضح نظر آ رہا ہے۔

ڈاکٹر اشفاق احمد وِرک ملک کے معروف مزاح نگار ہیں۔ اُنھوں نے اشرف نقوی اور ان کی شاعری کے حوالے سے بھی جو مضمون لکھا اُس میں اُنھوں نے حسبِ روایت ہلکے پھلکے انداز میں اشرف نقوی کی شاعری اور شخصیت کے بارے میں بات کی ہے اور اشرف نقوی کو بلحاظِ جسامت استاد الشعراء شیخ امام بخش ناسخ کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اشرف نقوی کی شخصیت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''نہ جانے کیوں میں جب بھی اشرف نقوی کو دیکھتا ہوں تو مجھے امام بخش ناسخ یاد آ جاتے ہیں۔ اُسی طرح دیکھنے میں پہلوان، پرکھنے میں سوجھوان ہیں۔ ان کے کلام پر نظر کریں تو معیار قاری کی بلائیں لینے لگتا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ ایسے لطیف خیالات، اتنے نادر استعارے، ایسی اچھوتی تشبیہات، ایسے ناقابلِ یقین امکانات ایسی عظیم جسامت کے ساتھ سمجھوتہ کیسے کر لیتے ہیں؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ اشرف نقوی نے بیس بائیس سال کی ریاضت کے بعد قارئینِ اُردو ادب کو ۲۰۰۶ء میں ''آخرِ ش'' کا تحفہ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''سبحان اللہ''، ''شاباش'' اور ''واہ واہ'' جیسی صدائیں لگاتار ان کے مشامِ جاں کو معطّر کرتی رہیں۔ اب بھی ان کی ہمت ہے کہ ''کاتا اور لے دوڑی'' کے اِس عہد میں انھوں نے نو سال کے طویل وقفے کے بعد ''زادِ حرف'' کی صورت میں قارئینِ ادب کے ذہنوں پر دستک دی ہے۔ اِن نو سالوں میں اچھی شاعری کے تعاقب میں اشرف نقوی نے وہ دشت نوردی کی ہے کہ انھیں دیکھ کر مجھے ن۔ م راشد کا ''حسن کوزہ گر'' یاد آ جاتا ہے جو اپنی جان سے پیاری جہاں زاد کو مخاطب کر کے اپنی ہڈ بیتی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:
>
> جہاں زاد! نیچے گلی میں ترے در کے آگے
>
> یہ میں سوختہ سر حسن کوزہ گر ہوں!
>
> تجھے صبح بازار میں بوڑھے عطار یوسف

کی دکان پر میں نے دیکھا

تو تیری نگاہوں میں وہ تابناکی تھی

میں جس کی حسرت میں نو سال دیوانہ پھر تا رہا ہوں

جہاں زار! نو سال دیوانہ پھر تا رہا ہوں"

(زادِ حرف، ص۱۸۔۱۹)

اشرف نقوی کے غزل کے حوالے سے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں ۔ "آخرش" اور "زادِ حرف"، دونوں مجموعے قارئینِ ادب سے بھرپور داد وصول کر چکے ہیں۔ ان کا حمد و نعت پر مبنی پہلا اور مجموعی طور پر تیسرا مجموعہ "حرفِ مِدحت" بھی حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اشرف نقوی اپنی مجموعی شاعری کے حوالے سے اپنی پہچان بنا چکے ہیں۔ ان مجموعوں کے ذریعے اشرف نقوی نے اپنے فن کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اشرف نقوی کی بنیادی پہچان غزل گوئی ہے شاید اِسی وجہ سے ان کی نعت میں بھی غزل کا اسلوب اپنایا گیا ہے۔

اشرف نقوی نے اپنے شاعری کے موضوعات میں معاشرے کے اہم ترین موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے۔ معاشرے میں جہاں کہیں بھی توازن بگڑتا نظر آیا ہے اشرف نقوی نے اپنے قلم، اپنے فن اور اپنی شاعری کے ذریعے اپنی صدائے احتجاج بلند کی اور کسی قسم کی مخالفت کی پروا نہیں کی۔ بقول وجیہہ زہرا زیدی اشرف نقوی پیشے کے لحاظ سے وہ ایک اُستاد ہیں مگر اعلیٰ ظرف انسان ہیں۔ اپنی فنی مہارت پر کبھی غرور نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے ہمیشہ خود کو ادب کا طالبِ علم سمجھا ہے۔

اشرف نقوی نے غزل، نظم اور حمد و نعت کے علاوہ سلام و منقبت پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی کچھ پنجابی غزلیں بھی ادبی پرچوں میں شائع ہو چکی ہیں۔

اشرف نقوی کے پہلے مجموعہ کلام "آخرش" سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

روز اِس دشت میں کربل سی بپا ہوتی ہے

روز آتا ہے محرّم کا مہینہ دل میں

(آخرش، ص۲۹) (۱۳)

صورتِ ربط یوں نکالیں گے

دل کو ہم دشت سے ملالیں گے

(آخرش، ص ۷۱) (۱۴)

میں کہ ڈوبا ہوں تو سینے پہ لیے پھرتی ہے

کتنی مانوس ہے لہروں کی روانی مجھ سے

(آخرش ص۵۵) (۱۵)

ایک عالم ہے جو حیرت سے مجھے دیکھتا ہے

رنگ کِس موج میں یہ تُو نے نکھارا میرا

(آخرش، ص۹۵) (۱۶)

مُسترد اُس نے کیا اُن کو بیک جُنبشِ لب

وہ جو کچھ نکتے مِرے حق میں اُٹھائے گئے تھے

(آخرش، ص۱۱۵) (۱۷)

میں اپنے عہد کی آواز بننے والا تھا

یہ مصلحت نے مِری رکھا بے زبان مجھے

(آخرش، ص۱۴۳) (۱۸)

اشرف نقوی کی شاعری میں فطریٔ والہانہ پن پایا جاتا ہے جو اُن کی شاعری کی ایک خوبی ہے اور یہ خوبی یا والہانہ پن قاری کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ اُن کی شاعری کی فضا سادہ اور شگفتہ ہے۔ ان کے الفاظ، محاورات، علامات، تراکیب، استعارات اور تلمیحات کا استعمال قابلِ داد اور قابلِ تعریف ہے۔

مظہر علی ورک اشرف نقوی کی شاعری کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اشرف نقوی کے ہاں بناوٹ یا تصنّع نہیں ہے۔ وہ اپنی تمام تر ہر دلعزیزی اور مقبولیت کے باوجود اپنے اشعار میں اِتراتے دِکھائی نہیں دیتے لیکن اُن کے ہاں ایک فطری والہانہ پن ضرور پایا جاتا ہے۔ اُن کی یہ رَوِش قاری کی توجہ فوری طور پر کھینچ لیتی ہے۔ ان کے استعمال کردہ الفاظ نرم، سجل، شگفتہ اور شاداب ہیں۔ ان کے لہجے میں گداز اور نزاکت پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے موضوعات میں تازگی اور دل کشی پیدا کرنے میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔" (مقالہ مظہر علی وِرک، ص۶۸) (۱۹)

اُردو غزل میں گزشتہ نصف صدی سے موضوعات اور تجربات کے حوالے سے جو ارتقائی عمل جاری ہے اس نے اشرف نقوی کے ہم عصر شعراء اور اس سے پہلے کی نسل کے شعراء کو شدید متأثر کیا۔ غزل میں نئے نئے موضوعات در آئے، غمِ جاناں کی جگہ غمِ دوراں نے لے لی۔ جدید غزل میں کائنات اور اس کے اسرار، معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں اور معاشی و سیاسی ناہمواریوں جیسے موضوعات نے اپنی جگہ بنالی۔ ایسے شعراء کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے غزل کے ارتقاء اور جدت میں شدت پیدا کی اور قاری کو شاعری کے ایک نئے ذائقے سے مانوس کرایا۔ اس حوالے سے ایک بڑا نام عباس تابش کا ہے جن سے نسلِ نو کے بے شمار شعراء متأثر ہوئے۔ ان کے علاوہ شاہین عباس کی غزل نے بھی اپنے عہد کے شعراء کو متأثر کیا اور قارئینِ ادب کو شاعری کے ایک نئے ذائقے سے روشناس کروایا۔ اشرف نقوی نے بھی اپنی غزل میں اپنا ایک خاص اور منفرد اسلوب اپنا کر غزل کے قاری کو نئی حیرتوں سے آشنا کیا۔

ڈاکٹر اشفاق احمد وِرک اشرف نقوی کی شخصیت اور اُن کی غزل گوئی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"گزشتہ چار دَہائیوں سے اُردو غزل نے موضوعات اور تجربات کے حوالے سے جو انگڑائی لی ہے وہ جدت، حِدت اور شدت کے اوصاف سے مملو ہے۔ اشرف نقوی نے ان کیفیاتِ ثلاثی کا انجذاب نہایت مہارت سے کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اشرف نقوی کب اور کن اوقات میں شاعری کرتا ہے۔ مجھے تو اِتنا پتہ ہے کہ یہ انجانا مستانہ توانا شاعر شاعروں کے اس کینڈے سے تعلق رکھتا ہے جو

بیان و بدیع کے حواسِ ہشتہ سے انفس و آفاق کا کھیل جاری رکھتے ہیں، جن کا جسم دُنیاوی مزدوری اور ذہن سماوی مجبوری میں اُلجھا رہتا ہے۔ وہ قدم رکھتے زمین پر ہیں، پڑتے آسمان پر ہیں۔ اشرف نقوی کی جذباتی زندگی کا تو مجھے اندازہ نہیں لیکن ادبی زندگی میں مجھے اس کی ایک بات نہایت پسند ہے کہ اس نے جس ایک بنتِ ادب (یعنی غزل) سے شروع دن سے دل لگایا اس کے ساتھ جوانوں اور جواں مردوں کی طرح نبھائے چلے جا رہے ہیں۔ یک در گیر و محکم گیر۔

بقول میر:

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو

آئینے کو لپکا ہے پریشاں نظـــری کا

وگرنہ تو ہمارے ہاں بیشتر اہلِ قلم کی دربدری کا یہ عالم ہے کہ اُنھوں نے ''اِدھر ڈوبے، اُدھر نکلے'' والے اہلِ ایماں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اشرف نقوی کا شعری سفر تین دَہائیوں سے متجاوز ہے۔ اکیسویں صدی کے پہلے رُبع کا سانس ٹوٹتے ٹوٹتے شنید ہے بلکہ قوی امید ہے کہ وہ شاعری کی مزید کوئی ہفت خواں سر کرلے گا۔ اِس سارے سفر میں مزے کی بات یہ ہے کہ تب سے اب تک اور نہ جانے کب تک وہ غزل ہی کی زُلفِ گرہ گیر کا شکار ہے۔ اس کے شعری سفر کی انوکھی ابتداء ''آخرش'' جیسے پُرعزم عنوان سے ہوئی تھی جس کے نتیجے میں ''سبحان اللہ''، ''شاباش'' اور واہ واہ جیسی صدائیں لگاتار مشامِ جاں کو معطر کرتی رہیں۔ غزل کا یہ شہر اسے ایسا خوش آیا کہ نو سال کا طویل عرصہ بھی اسی داد کے نشے میں گزار دیا۔'' (ماہنامہ الحمرا، ص۵۷) (۲۰)

اشرف نقوی کی شاعری میں وقار، سنجیدگی اور متانت کے عناصر اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر دِکھائی دیتے ہیں۔ وہ پُروقار انداز سے لکھتے ہیں۔ ان کی تحریر میں الفاظ کا دروبست انتہائی مناسب اور موزوں ہوتا ہے۔ انھیں معلوم ہے کہ کون سا لفظ کہاں استعمال کرنا ہے۔ ان کے اشعار میں الفاظ کی مربوط ترتیب جس میں منطقیت بھی ہوتی ہے اور شعریت بھی۔ وہ تشبیہ اور استعارے کو اظہار کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کی شاعری میں موسیقیت اور نغمگی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ اُن کے مصرعوں میں برجستگی، حُسن کاری، بانکپن اور جمالیاتی شان اور کلاسیکیت موجود ہے۔ اشرف نقوی کے بارے میں ناقدین کی رائے ہے اُن کی شاعری بالکل ویسی ہے جیسے اشرف نقوی خود ہیں۔ ان کی شاعری کے تمام سوتے ان کی اپنی ذات سے پھوٹتے ہیں۔

غزل کی زمین کیسی کیوں نہ ہو اچھا شاعر وہی ہوتا ہے جو اس زمین پر اپنی قادرالکلامی کے جھنڈے گاڑ دے۔ اشرف نقوی کو بھی الفاظ کے انتخاب، تشبیہ، علامت، استعارے، تلمیح اور صنائع بدائع اور محاوروں کے استعمال پر عبور حاصل ہے۔ انھوں نے بھی مشکل زمینوں میں نہایت خوب صورت شعر کہے ہیں اور اِتنی بے ساختگی سے کہے ہیں کہ ہر شعر پر "واہ"، "واہ" نکلتی ہے۔

اشرف نقوی کی غزل کو ہم قدامت اور جدت کے اسرار کا بیانیہ کہہ سکتے ہیں۔ اشرف نقوی کی غزل کے اس پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شاہین عباس تحریر کرتے ہیں:

> "اشرف نقوی کی غزل ایک طرف قدامت اور اُس کے اسرار کا بیانیہ ہے اور دوسری طرف جدت اور اُس کے فشار کی کہانی۔ اِس مجموعے (زادِ حرف) کا خالق کہیں ثقافتی اور کہیں عصری تغیّرات کو لحاظ میں رکھتے ہوئے اپنے شعری آہنگ کو بلند و پست کرتا ہے اور کہیں تاریخ و روایت پر استقامت کے ساتھ قانع اور مطمئن دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک شاعری کا آرٹ، کرافٹ سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔ شعر کو محض مافی الضمیر کا پابند یا متبادل نہیں بنایا جاسکتا۔ غزل کے شاعر کو فکری صورت گری کا کرافٹ یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ معنی در معنی کے عمل کو ممکن بنا سکے اور اپنی غزل کو ایک خیال یا نقطۂ نظر کی عمومی سطح سے بلند تر کر سکے۔ ابلاغ اور تفہیم کے مروّجہ پیمانوں کی پاسداری مقصود نہ ہو اور قاری کا خوف ہر آن دامن گیر نہ ہو تو اِنھی دو مصرعوں کی تنگنائے میں آگے، بہت آگے کی سیاحت ممکن ہو سکتی ہے۔ ضروری نہیں کہ شاعر اور اُس کے قاری کے مابین فکری مناسبتوں ہی سے استوار ہو؛ قاری و شاعر مختلف و متصادم فکری منطقوں میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں۔ اشرف نقوی بہ طور شاعر اپنے عصر سے مزاحمت اُس کے اشعار میں جا بہ جا دِکھائی دیتی ہے، جس کا اگلا مرحلہ متوقع طور پر تصادم بھی ہو سکتا ہے۔ طبیعات و مابعد الطبیعات کے دوراہے پر، شخصیت کے ظاہر و باطن میں ہوتا ہوا آج کے انسان کا فرسودہ و از کار رفتہ طرزِ سخن سے تصادم۔" (فرنٹ فلیپ زادِ حرف)(۲۱)

اشرف نقوی کی شاعری اپنے زمانے کی نہایت عمدہ اقدار پر قائم ہے۔ ان کے ذہن میں ایک مثالی، سلجھے ہوئے، باوقار اور مہذّب معاشرے کا عکس موجود ہے۔ انھوں نے روحِ عصر کو اپنی شاعری میں سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انھوں نے وقت کی ضرورت کو اہم جانتے ہوئے اپنے باطن سے حاصل کردہ مواد کو موضوعی طور پر تخلیقِ فن کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری کا اعتراف اکثر ناقدینِ شعر و ادب کرتے نظر آتے ہیں۔

نعیم گیلانی، اشرف نقوی کی غزل گوئی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"فکری اور فنّی اعتبار سے اشرف نقوی کی غزل عصری منظرنامے میں نہ صرف معروف و مقبول ہے بلکہ پورے وجود کے ساتھ اپنے ہونے کی گواہی بھی ہے۔"زادِ حرف" کی شعریات میں جس ہُنر مندی کے ساتھ تخیل اور تجربے کی صورت گری کی گئی ہے وہ انھیں نہ صرف معاصرین بلکہ بزمِ آئندگان میں بھی ممتاز نشست پر براجمان رکھے گی۔(زادِ حرف، بیک فلیپ)(۲۲)

اشرف نقوی کی غزل گوئی کے حوالے سے ارشد نعیم لکھتے ہیں کہ:

"اشرف نقوی نے غزل کے مروّجہ استعاراتی نظام میں رہتے ہوئے اپنے تخلیقی عمل میں انفرادی زاویوں کو کامیابی سے سمونے کا کام انجام دیا ہے۔ ان کے ہاں زندگی کا گہرا شعور موجود ہے اور اس کی خارجی سطح سے تخلیقی تجربے کی کشید کا کام بخوبی انجام دیتے ہیں۔ ان کی غزل تہذیبی حُسن کی امین ہے۔" (زادِ حرف، بیک فلیپ) (۲۳)

اِسی طرح ڈاکٹر خالد ندیم اشرف نقوی کی غزل کے فن اور اس کے محاسن پر اظہارِ خیال کرے ہوئے لکھتے ہیں:

"اشرف نقوی کی شاعری ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی فنی پختگی کی منزل تک آ گئی ہے۔ ان کے اشعار دل و دماغ کے تاروں کو چھو کر گزرتے ہیں اور پھر دیر تک خیال و فکر کی لہروں میں دیر تک ارتعاش ہوتا رہتا ہے۔ اشرف نقوی اُردو شاعری کے مستقبل کی نوید بھی ہیں اور شاعری کی بقا کے ضامن بھی!"(زادِ حرف، بیک فلیپ)(۲۴)

اشرف نقوی کی شاعری کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے سمیعہ نعیم لکھتی ہیں کہ:

" اشرف نقوی ایک کُہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کے خیالات میں تازگی و شگفتگی پائی جاتی ہے وہ شعر گوئی میں ایک مستند مقام رکھتے ہیں۔" (مقالہ سمیعہ نعیم، ص۹) (۲۵)

اِسی حوالے سے اشرف نقوی ک مجموعۂ غزل "آخرش" سے ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اپنی پلکوں پہ ستاروں کو پرونے والا

ہے کوئی شخص مری یاد میں رونے والا؟

کشتیٔ جاں کو سمندر میں اُتارا میں نے

ناخدا اور نہ تھا ساحل پہ ڈبونے والا

دل کسی اور ہی منظر میں نظر آئے گا

یہ ستارہ نہیں آفاق میں کھونے والا

دشت و دریا میں نہ ہو کوئی بھی رِشتہ جیسے

وہ کسی طور بھی میرا نہیں ہونے والا

روز بچّے مِرے حسرت سے مُجھے دیکھتے ہیں

روز آتا ہے محلّے میں کھلونے والا

ریگِ صحرا کی طرح خشک ہیں آنکھیں اشرف

کوئی دریا بھی نہیں اِن کو بھگونے والا (آخرش، ص۴۹۔۵۰) (۲۶)

اشرف نقوی کی غزل میں دوستی محبت، وفا، عداوت اور بے رُخی کے موضوع پر بہت سے اشعار ملتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں غمِ دوراں اور غمِ جاناں پر بھی کچھ اشعار نظر آتے ہیں۔

سمیعہ نعیم اشرف نقوی کے مجموعہٴ غزل ''آخرش'' اور اُن کی غزل کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"اشرف نقوی کے مجموعہ کلام (آخرش) میں دوستی اور محبت کے موضوع پر کئی اشعار ملتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں غمِ جاناں اور غمِ دَوراں کی رُوداد کم ہے، تاہم محبت عداوت، وفا، بے رُخی کے اظہار یے جگہ جگہ ملتے نظر آئیں گے۔ اشرف نقوی زمانے سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ اُن کے کلام میں اُن کی مجلسی زندگی بولتی ہے۔ سادہ اور عام فہم لفظیات میں اُن کا مُدّعا کلام کو اور زیادہ پُر اثر بناتا ہے۔ اُن کے ہاں علامتوں کا بھی سیدھا سادہ استعمال ہے لیکن کہیں کہیں معنی خیزی قاری کو بے ساختہ "واہ" کہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ "آخرش" میں تنہائی کو سلیقے سے بیان کیا گیا ہے۔ سب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اگر کوئی تنہائی کا احساس دِلا دے تو وہ اس کی لفظوں پر گرفت کا ثبوت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

بھٹکا ہوا راہی ہوں سرِ دشتِ تمنا

بھولا ہوا ہوں صدیوں سے میں اپنا پتا بھی

میں کہ ڈوبا ہوں تو سینے پہ لیے پھرتی ہے

کتنی مانوس ہے لہروں کی روانی مجھ سے

بات کرتے ہوئے لہجے میں تھکن بولتی ہے

چِھن گئی عشق میں سب شعلہ بیانی مجھ سے

وہ ستارہ جو فلک پر ہے فروزاں اشرف

آخرش کر ہی گیا نقل مکانی مجھ سے

(مقالہ سمیعہ نعیم، ص۲۱۳۔۲۱۴) (۲۷)

ہم نئ صدی میں غزل جیسی نازک صنف کی بات کرتے ہیں تو موجودہ صورتِ حال کو بھی پیشِ نظر رکھنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ موجودہ صدی کے آغاز سے ہی سائنس اور ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی نے پورے عالمی معاشرے کو ایک تیز رفتار تغیر سے دوچار کر دیا۔ نئ صدی کا سورج طلوع تو ہوا مگر سیاسی، سماجی، مذہبی، تہذیبی، اقتصادی اور معاشی اتھل پتھل شروع ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے قدروں کے پیمانے اور مسائلِ زندگانی، کیفیتیں اور صورتیں بدل گئیں۔ زندگی کا سیلِ رواں آئندہ کس رنگ روپ میں ڈھلے گا؟ کیا اسے ایک صورت ملے گی اور اسے کبھی قرار بھی نصیب ہو گا؟ اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ اِس صورتِ حال میں اشرف نقوی کو حقیقی مسائل کا اِدراک اور حقیقی عرفان ہے۔ اشرف نقوی کو تبدیل شدہ افکار و اقدار کا حقیقت پسندانہ اور فنکارانہ اظہار و ابلاغ کا ہُنر آتا ہے۔ اس کے لیے حسی اور جذباتی نشیب و فراز قصہ ٔپارینہ ہیں۔ ان کی شاعری اپنے حِسّی تجربات کی زائیدہ ہے۔ وہ اپنے پیشرووں کی اندھی تقلید نہیں کرنا چاہتے۔ انھیں اس بات کا احساس بھی نہیں ہے کہ ناقدینِ ادب ان کی شاعری قرار دیں گے کہ نہیں۔ وہ کسی کے بندھے ٹکے اصولوں کے تحت شاعری نہیں کرنا چاہتے۔ وہ آزاد ہیں اور آزاد ہی رہنا چاہتے ہیں۔

سمیعہ نعیم اشرف نقوی کے شعری مزاج اور خصوصیات کے حوالے سے تحریر کرتی ہیں کہ:

> ''اشرف نقوی کی غزل کلاسیکی شعری روایت کی امین ہے جس میں اُن کے جذبہ واحساس کی شدت اور اظہار کی ہنر مندی شامل ہے لیکن ان شاعری کی یہ رومانی فضا مصنوعی نہیں لگتی بلکہ حقیقت پسندی کی خوشبو ہے کہ ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اشرف نقوی کی رومانیت محض تخیلاتی اور تصوراتی نہیں، زندگی کے شعور کے جلو میں پروان چڑھی ہوئی ہے۔ ان کا فن انسانی رویوں سے گریزاں نہیں بلکہ ان کے ردِ عمل اپنے لیے راہ بناتا دِکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں داخلیت بھی ہے اور ایک حد تک خارجیت بھی۔'' (مقالہ سمیعہ نعیم، ص۲۱۴) (۲۸)

آگے چل کر سمعیہ نعیم اشرف نقوی کی شاعری اور ان کی ادبی تنظیموں سے وابستگی کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> اشرف نقوی ایک پختہ فکر اور سنجیدہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس میں صفحہ ٔ قرطاس پر منتقل ہونے کے بعد زندگی کے آثار اور حُسن کا عنصر اُبھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ وہ علمی وادبی تنظیم ''دریچہ'' سے ابتداء سے ہی وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ ''یوتھ فرنٹ پاکستان''، نوجوان ادبی محاذ''، ''شاہینِ ادب''، ''دوستی'' اور ''نقوشِ ادب سے بھی اُن کی وابستگی رہی ہے۔''

(مقالہ سمیعہ نعیم، ص۲۱۴) (۲۹)

اشرف نقوی نے اپنی شاعری کے جوہر اپنے پہلے شعری مجموعہ ''آخرش'' میں دِکھائے۔ اُنھوں نے کم و بیش بیس سال شعر و سخن کے میدان میں سخن طرازی کے بعد اس مجموعے کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ ''آخرش'' میں انھوں نے غزل کے عمومی مضامین کو نیا بنانے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ اِس مجموعے کی اشاعت نے اشرف نقوی کو دُنیائے ادب میں نمایاں کیا اور وہ ایک کامیاب غزل گو قرار پائے۔

ارشد نعیم اشرف نقوی کے مجموعۂ غزل ''آخرش'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اشرف نقوی نے غزل کی صنف کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے مگر یہ کوئی اہم بات نہیں، کیونکہ کم و بیش ہر نیا شاعر غزل ہی سے اپنے شعری سفر کا آغاز کرتا ہے، مگر اشرف نقوی کے ہاں یہ بات خاصی اہم ہے کہ اس نے غزل کے آرٹ پر عبور حاصل کرنے کے لیے طویل جدوجہد اور ریاضت کی اور کم و بیش بیس برس کی محنت کے بعد اپنا پہلا شعری مجموعہ پیش کیا ہے۔ ''آخرش'' کی شاعری اِس امر کی غماز ہے کہ شاعر نے اِس میدان میں طویل ریاضت کی ہے۔ ستارہ و افلاک اور انسان کے بیچوں بیچ کا طویل فاصلہ ایک ایسی فکری جہت کا متقاضی ہے جو بھرپور اور برمحل ہو۔ اور یہ جہت ہمیں اشرف نقوی کے ہاں نظر آتی ہے۔ اِسی لیے اس کی شاعری ہمارے عمومی اسلوب کے معیارات پر پورا اُترتے ہوئے ایک نیا آہنگ تشکیل دے رہی ہے۔ اس کا لہجہ، اس کا انداز اپنے ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ اشرف نقوی نے غزل کے عمومی موضوعات کو اپنے دستِ ہُنر سے نیا بنانے کا کام کیا ہے۔ روایت کی توسیع اور تعمیرِ نو کا کام بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ یونہی ذرا سی لغزش ہوئی اور شاعری ''کلیشے'' میں ڈھل گئی، لیکن ''آخرش'' میں صورتِ حال اس سے مختلف نظر آتی ہے۔ روایتی مضامین بھی اشرف نقوی کی تازہ کاری کے باعث تازہ دم اور نئے نظر آنے لگے ہیں۔ اشرف نقوی کی ادبی حیثیت کو ''آخرش'' نے نمایاں کیا ہے۔ اس کے بنے بنائے مقام کو کئی زینے مزید بلند کر دیا ہے ورنہ تو اچھے اچھے شعراء کا بھرم مجموعہ کی اشاعت کے بعد ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اپنے مقام سے کئی منزلیں نیچے نظر آنے لگتے ہیں مگر اشرف نقوی کا معاملہ باقی شعراء سے مختلف ہے۔ ''آخرش'' کی اشاعت نے اس کی ادبی حیثیت کو مسلّم کرنے میں مدد دی ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری کا اوّلین مجموعہ ان جملہ خوبیوں سے متّصف ہے جو اکثر شعراء کے مجموعوں میں موجود نہیں ہوا کرتیں۔ اشرف نقوی نے غزل کے فن کی بنیادوں کو پوری طرح سمجھتے ہوئے نئی غزل کے فن کی بنیادوں کو پوری طرح سمجھتے ہوئے نئی غزل کے فن کی بنیادوں کو پوری طرح سمجھتے ہوئے نئی غزل کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے کی کامیاب سعی کی ہے۔ یہ مجموعہ غزل

کے سنجیدہ قارئین کے لیے یقیناً حظ کا سامان بہم پہنچا رہا ہے۔" (مقالہ مظہر وِرک، ص۱۹۷۔۱۹۸)
(۳۰)

اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ اچھی شاعری کیا ہوتی ہے؟ نقادانِ فن اِس بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں لیکن اچھی شاعری کے بارے میں معروف شاعر اظہر عباس کا کہنا ہے کہ اچھی شاعری وہ ہوتی ہے جس کو بار بار پڑھنے کو جی چاہے۔ اشرف نقوی کا شعری مجموعہ آخرش اِس صفت سے متصف ہے اور اسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اِس مجموعۂ غزل میں اشرف نقوی کا پسندیدہ استعارہ "دشت" ہے۔ ان کی شاعری میں دشت دُور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ "آخرش" میں کربلا کا استعارہ کئی جگہ پر ملتا ہے۔ یہی خوبیاں اشرف نقوی کو ان کے ہم عصروں سے جدا کرتی ہیں۔

اظہر عباس اشرف نقوی کے مجموعۂ غزل "آخرش" اور اشرف نقوی کی غزل گوئی کی خوبیوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"اشرف نقوی تازہ ہوا کے جھونکے کی مانند اپنے مجموعہ کلام "آخرش" کے ساتھ نمودار ہو کر تشنگی کو کافی حد تک کم کرنے میں کامیاب ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ میری نظر میں اچھی شاعری کی صرف اتنی ہی پہچان ہے کہ جسے پڑھیں تو بار بار پڑھنے کو دل چاہے۔ اور میں بلا مبالغہ اِس کتاب کو پانچ سے چھ بار پڑھ چکا ہوں اور ہر بار پڑھنے کے بعد کسی نئے ذائقے سے روشناس ہوا ہوں۔ "دشت"، "آخرش" میں دُور تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اصل میں یہ استعارہ اُس ویرانی کی طرف اِشارہ کرتا ہے جو اشرف نقوی کی ذات میں پنہاں ہے۔ شاعر، شاعر بھی اور حُسینی بھی تو دشت اُس کی شاعری کا خاص حوالہ بن جاتا ہے۔ وہ اپنے عہد کو واقعۂ کربلا کے حوالے سے دیکھتا ہے۔ ایک طرف کربلا میں معصومین پر ڈھائے ہوئے ظلم و ستم کو یاد کر کے اشرف نقوی کی آنکھیں فرات کی طرح بہنے پر مجبور ہیں تو دوسری طرف ایک صدائے لا اِلٰہ بھی ہونٹوں پر رواں نظر آتی ہے۔ واقعۂ کربلا میں شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر لہرانے کا دل خراش عمل ہر عہد کے شاعر نے اپنے اندر سے قلم بند کیا ہے مگر اشرف نقوی اِس منظر کو اپنے ہی رنگ میں دیکھتا ہے جو شاعر ایسا خوب شعر تخلیق کر سکتا ہو:

اندازہ کچھ نہیں تھا مجھے اُس کی پیاس کا

پچھتا رہا ہوں دشت میں دریا کو ڈال کے

اُس کے بڑھتے ہوئے قدم کون روک سکتا ہے؟ اشرف نقوی اِس مجموعہ کلام سے یقیناً اپنے ہم عصر شعراء کی صف میں اہم شاعر کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آیا ہے۔"

(مقالہ مظہر ورک، ص ۲۰۰) (۳۱)

اِسی حوالے سے اشرف نقوی کے مجموعہ کلام "آخرش" میں موجود سلام کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

دیوار روشنی کی ہے، در روشنی کا ہے

کربل میں خیمہ زن ہے جو گھر روشنی کا ہے

کُچھ اِس طرح سے پیاس بجھی اِک چراغ کی

حلقوم اب بھی خون سے تر روشنی کا ہے

نیزوں پہ لگ رہا تھا سروں کی بہار سے

صحرائے تیرگی میں شجر روشنی کا ہے

بخشا وقار جس کو محمدؐ کی آل نے

وہ کربلا تو اب بھی نگر روشنی کا ہے

حُر کا جبیں جھکانا درِ اہلِ بیت پر

اِک روشنی کے نام سفر روشنی کا ہے

اشکِ غمِ حُسینؑ کی تاثیر دیکھیے

ہاتھوں میں میرے آج ہُنر روشنی کا ہے

اشرف یہ سارا فیض ہے ذکرِ حُسینؑ کا

دامن میں میرے آج جو زر روشنی کا ہے

(آخرش، ص۲۱۔۲۲) (۳۲)

اشرف نقوی کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر خالد ندیم کا قول "اشرف نقوی کی شاعری ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی فنی پختگی کی منزل تک آ گئی ہے" نقل کرتے ہوئے مظہر علی ورک کا کہنا ہے کہ یہاں پہنچ کر مجھے ڈاکٹر وزیر آغا یاد آتے ہیں جنھوں نے مشرقی فکر کو بیان کرتے ہوئے اشعار کو فکری اور جذباتی کیپسول کا درجہ دیا ہے جس مین مشرقی دانش کا راز قلعہ بند ہوتا ہے۔

"ڈاکٹر خالد ندیم کے مطابق اشرف نقوی اُردو شاعری کے مستقبل کی نوید بھی ہیں اور شاعری کی بقا کے ضامن بھی، ارشد نعیم کو اشرف نقوی اپنے تخلیقی عمل میں انفرادی زاویوں کو کامیابی سے سموتے نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں زندگی کا گہرا شعور موجود ہے اور اس کی خارجی سطح سے تخلیقی تجربے کی کشید کا کام بخوبی سر انجام دیتے ہیں۔ ان کی غزل تہذیبی حُسن کی امین ہے۔"
(مقالہ مظہر ورک، ص۲۰۲) (۳۳)

اشرف نقوی اساتذہ میں سے میر و غالب کے معتقد و معترف ہیں۔ اپنے کئی اشعار میں اُنھوں نے میر و غالب سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے شاعری کا ذوق رکھنے والا کوئی بھی شاعر اور قاری ایسا نہیں جو میر و غالب کو پسند نہ کرتا ہو یا اُن سے عقیدت و محبت کا اظہار نہ کرتا ہو۔ اکثر لوگوں کو ان اساتذۂ فن کے بہت سے اشعار زبانی یاد ہیں۔ ایسے میں اشرف نقوی کا میر تقی میرؔ سے عقیدت و محبت کا اظہار کوئی انہونی بات نہیں۔ اشرف نقوی شاعری میں میر سے متأثر ہیں۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن اشرف نقوی کے مجموعۂ کلام "زادِ حرف کے مقدمے میں اشرف نقوی کی میر سے محبت و عقیدت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"ان کے اِس مجموعے میں متعدد مقامات پر میرؔ عقیدت و محبت کا اظہار بھی ہوا ہے لیکن انھوں نے مختصر بحور کے تجربے کو ہی زیادہ اختیار کیا ہے۔" (زادِ حرف، ص۱۶۔۱۷) (۳۴)

ڈاکٹر ضیاء الحسن کے علاوہ محمود اختر خان (ظریف احسن) نے بھی اشرف نقوی کو میر کی روایت کا امین قرار دیا ہے۔ وہ خود خود بھی میر تقی میر سے بہت زیادہ متأثر نظر آتے ہیں۔

آ گے زبانِ یار کے خط کھینچا سب نے میرؔ

پہلی جو اُس کی بات کہیں تو کتاب ہو

(میر تقی میرؔ)

محمود اختر خان اپنے مضمون ''میر کی شعری روایت کا امین، ''زادِ حرف کا اشرف نقوی'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''اُردو شاعری بالخصوص غزل میں کوئی بھی شاعر میر تقی میرؔ کے سحر سے ہر عہد میں نہیں بچ سکا بلکہ خدائے سخن کا سحر ابد تک جاری و ساری رہے گا۔ بلاشبہ میر تقی میرؔ اُردو شاعری، اُردو ادب اور اُردو زبان کے محسنِ اعظم ہیں۔ ہر عہد کے شعراء میرؔ صاحب کی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کرتے چلے آئے ہیں۔

میں اشرف نقوی کو میرؔ کی شعری روایت کا امین قرار دیتا ہوں۔ اشرف نقوی اہلِ زبان کو منانے اور اہلِ زبان کی قدر و قیمت جاننے کی سعی میں قارئینِ ادب کو ۲۰۰۶ء میں پہلا شعری مجموعہ ''آخرش'' دینے کے بعد مزید کھوج میں نکلتے ہیں۔ دریں اثنا فروری ۲۰۱۵ء میں اشرف نقوی کا دوسرا شعری مجموعہ ''زادِ حرف'' قارئینِ ادب کے سپرد کرتے ہوئے اِس نکتے کو پا چکے ہیں کہ خاموشی سے کلام کیسے کیا جاتا ہے۔ اہلِ زبان کو منانے، سمجھنے اور جاننے کے بعد اب اِس درجہ پر ہیں کہ موجد بھی کہلائے جانے کے مستحق قرار دیے جاسکتے ہیں۔

اشرف نقوی نے میرؔ صاحب سے شعری استفادے کے حصول میں غالبؔ کی بات کو بھی ذہن میں رکھا اور ساتھ ابراہیم ذوقؔ کی بات سے بھی صرفِ نظر نہ کیا، حسرت کے کہنے پر میرؔ کا شیوۂ گفتار سمجھنے کی کوشش کی، میرؔ کے مقلّد ہونے پر مخدومؔ کی بات کو گرہ میں باندھا، ظریف احسن کا صائب مشورہ کہ ''شاعری میں سوز چاہیے تو روز و شب میرؔ صاحب کی صحبت میں رہو'' پر عمل پیرا رہتے ہوئے کتابِ زیست کے عُنوان کے معانی کو نِت نئے مفہوم دیے۔ اشرف نقوی نے میرؔ صاحب کے کہے کو اپنے عمل سے کتاب کی صورت ''زادِ حرف'' کے حصول میں معانی کا مختلف ہونا اِتنا سہل نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ لہو تھوکنے کے لیے خود کو وقف کرنا پڑتا ہے، ایک طویل وقت

درکار ہوتا ہے۔ اشرف نقوی کے سفر کا پہلا پڑاؤ "آخرش" جو دو دہائیوں پر محیط، دوسرا پڑاؤ "زادِ حرف" کا دورانیہ ایک دہائی، یعنی تین دہائیوں کی مسافت میں خود کو تلاش کرنے کا عمل، اِس ریاضت کے عمل میں شب بے داریاں، حرف کی حُرمت کی پاسداریاں۔ یہ کرم خاص سچی لگن سے مشروط اور عجز کی یہ انتہا کہ خود کو تہی داماں کہنا، باوصف ہونے کے خود کو بے ہُنر کہنا، در حقیقت یہ سب ہُنر ہی کا کمال ہے۔ میں اشرف نقوی کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرے ساتھ قارئینِ ادب کو بھی میرؔ صاحب کی شعری نگری میں لے گئے اور میرؔ کے اسکول آپ ٹھاٹ سے بھی آشنائی دی اور میرؔ صاحب کی شعری عظمت سے استفادے کو بھی ظاہر کیا۔"

(مقالہ مظہر علی ورک، ص ۲۰۲۔۲۰۳) (۳۵)

اِسی حوالے سے اشرف نقوی کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

نہ اب ہے میرؔ سا رنگِ سُخن، نہ غالبؔ سا

کہ جب سے رُوٹھ کے اہلِ زباں چلے گئے ہیں

(زادِ حرف، ص٦٦) (٣٦)

اشرف نقوی کی شاعری میں احساسات و جذبات اور موضوعاتی اور فکری اعتبار سے جو تخلیقی تنوّع پایا جاتا ہے وہ اشرف نقوی کو اس کے ہم عصر شعراء میں ممتاز اور نمایاں کرتا ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری میں دُکھ درد، کربِ تنہائی اور معاشرتی ناہمواریوں کو سلیقے سے بیان کیا گیا ہے جنھیں قاری اپنے دل کی آواز جانتا ہے اور شاعری کا ایک نیا ذائقہ قاری کے سامنے اُبھر کر آتا ہے۔

نعیم گیلانی، اشرف نقوی کی غزل گوئی کے حوالے سے تحریر کناں ہیں کہ:

"اشرف نقوی کی غزل ایک طویل مدت تک مشاہدے اور تجربے اور محسوسات کی گنجان اور کٹھن راہ پر سفر کرتی ہوئی اشرف نقوی تک پہنچی ہے جس کے ساتھ اشرف نقوی کا برتاؤ فقید المثال ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اپ کی شاعری میں یہ خوبی بہت نمایاں ہے کہ اپ نے غزل کی مخصوص روایت سے انحراف بھی نہیں کیا اور جدت و کے ساتھ بھی رشتہ استوار رکھا ہے۔یوں اشرف نقوی کی غزل روایت اور جدت کی نہایت دل کش اور دلآویز تصویر پیش کرتی ہے۔ اشرف

نقوی کی غزل میں احساسات کی صورت گری اور جذبات کی مرقع نگاری اس قرینے اور قاعدے کے ساتھ معرض وجود میں اتی ہے کہ دل و نگاہ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور قاری کے تخیل میں حرف و معانی کے نئے نئے جہان اباد ہونے لگتے ہیں۔ اشرف نقوی کی شاعری میں موضوعاتی اور فکری اعتبار سے جو تخلیقی تنوع پایا جاتا ہے وہ اپ کو اپنے ہم عصر شعراء سے منفرد اور ممتاز کرتا ہے۔ داخلی غم کا عنصر ہو یا آفاقی مسائل کا درد، موصوف کا شعری آہنگ شدتِ احساس کی ناقابلِ بیان تمازت لیے ہوئے ہے۔ مخاطب اِس تمازت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اشرف نقوی کی شاعری پڑھتے ہوئے شاعر کے اندر چھپا ہوا درد بار بار اُبھر کر قاری کے سامنے آتا ہے اور وہ پوری شدت کے ساتھ دُکھ اور کرب کی لہریں درونِ دل اُٹھتی ہوئی محسوس کرتا ہے۔ نقوی صاحب کی شاعری کا سارا منظر نامہ انھی کیفیات کی صورت تشکیل پاتا ہے جس کا تعلق اس کے اندر چھپے ہوئے ایک درد مند اور حسّاس انسان کے ساتھ ہے۔" (مقالہ مظہر ورک، ص۲۰۵) (۳۷)

اشرف نقوی کا شعری مجموعہ "آخرش" ایک قادرالکلام شاعر کا کلام محسوس ہوتا ہے۔ اِس مجموعے کی ہر ایک غزل میں شاعر کا لہجہ توانا اور پختہ دِکھائی دیتا ہے۔ اشرف نقوی کے اِس مجموعے میں کوئی غزل ایسی نہیں جسے پڑھ کر واہ واہ کہنے کو دل نہ چاہے۔ "آخرش" شاعری کی ایسی کتاب ہے جسے پڑھ کر قاری ایک انوکھی خوشی اور فرحت محسوس کرتا ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری میں دوسرے عناصر کے ساتھ سچائی کا عُنصر بھی پایا جاتا ہے۔

وحید احمد زمان اشرف نقوی کے شعری مجموعے "آخرش" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"اشرف نقوی کے شعری مجموعہ "آخرش" کو پڑھتے ہوئے کہیں پر بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ کسی شاعر کا اوّلین مجموعہ ہے، بلکہ یہ کسی قادرالکلام شاعر کا کلام محسوس ہوتا ہے۔ مجموعے میں شامل تمام غزلیں بڑی مرصّع ہیں۔ شاعر کا لہجہ توانا اور پختہ ہے۔ غزل کی زمین کیسی ہی کیوں نہ ہو اُس نے نہایت خوب صورتی سے شعر کہے ہیں اور اِتنی بے ساختگی سے کہے ہیں کہ مجموعے میں شامل شاید ہی کوئی غزل ایسی ہو کہ جس کے کسی نہ کسی شعر پر واہ واہ نہ نکلتی ہو بلکہ اکثر غزلوں میں ایک سے زیادہ اشعار پر زبان سے فی البدیہہ "واہ" نکلتی ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری ویسی ہی ہے جیسا کہ خود اشرف نقوی۔ اس کی شاعری کے تمام تر سوتے اُس کی ذات سے ہی پھوٹتے ہیں۔ اُس کے جذبات و احساسات، اُس کی محرومیاں، اُس کے کرب و الم اور اُس کی تھوڑی بہت خوشیاں، جو کچھ بھی ہے اس میں سچائی ہے۔ یہ سچائی اُس کی شعری تخلیقات میں پوری آب و

تاب سے جلوہ افروز ہے۔ اشرف نقوی نے ہر موضوع پر نہایت خوب صورت شعر کہے ہیں لیکن مجموعی طور پر اُس کی شاعری میں احساسِ محرومی کی شدت کا احساح بھرپور طریقے سے اُبھر کر سامنے آتا ہے خاص طور پر وہ ادھورے پن کا شکار نظر آتا ہے۔ وہ تکمیلِ ذات کی خواہش کا شدید متمنی لگتا ہے۔" (مقالہ مظہر ورک، ص۲۰۶) (۳۸)

اشرف نقوی کے شاعری میں استعارات و تلمیحات کا ایک مربوط نظام موجود ہے۔ اپنی غزلوں میں اشرف نقوی نے استعاروں، علامات و تراکیب اور تلمیحات کا استعمال نہایت مؤثر انداز میں کیا ہے۔ مثلاََ واقعۂ کربلا کو استعارے کے طور پر ایسے استعمال کرنا کہ سانحۂ کربلا کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن اشرف نقوی کے شعری مجموعے "زادِ حرف" میں استعمال ہونے والے استعاروں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اشرف نقوی کی شاعری میں مذہبی شعور کا اظہار صرف اُن اشعار میں ہی نہیں ہوا، جن میں مذہب کی پیدا کردہ تہذیب سے تلمیحاتی و غیر تلمیحاتی استعارات وضع کیے ہیں بلکہ اُن کی ساری شعری منطق اور تخلیقی تجربہ اِسی مخصوص شعور کے زیرِ اثر کارفرما ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

اشرف نقوی کا استعاراتی نظام اُن کے اسی مذہبی شعور کا زائدہ ہے۔ ان کے ہاں واقعۂ کربلا سے منسلک استعارے فراوانی سے استعمال ہوئے ہیں۔ ہمارے عہد کو بیان کرنے کے لیے یہ بہترین استعارے ہیں کیوں کہ اس زمانے میں حق کو وہی مسائل درپیش ہیں جو حق کا استعارہ ہیں اور جو میدانِ کربلا میں اہلِ حق کو درپیش تھے۔ آج بھی اقتدار پرستی اور اس سے پیدا ہونے والے منفی رویّوں نے ہماری زندگی کو اُسی طرح بدصورت بنا دیا ہے جیسا آج سے چودہ سو سال پہلے ہوا تھا۔ یہ استعارے ہمارے انسان کی بے بصری اور بے بسی کی داستان بھی سناتے ہیں جو صدیوں پہلے جیسا بے بضاعت اور بُزدِل تھا آج بھی ویسا ہی ہے اور اِسی وجہ سے تباہ حال ہے۔ مُٹھی بھر انسان ہمیشہ سے ظلم اور استحصال کے خلاف نبرد آزمائی کرتے آئے ہیں، اگرچہ بہیمیت اور حیوانیت کو وقتی طور پر کامیابی حاصل ہو جاتی ہے لیکن آخر فتح ہمیشہ حق کو ہی حاصل ہوتی ہے:

نیزے پہ سر ہے اور بدن تپتی ریت پر

مقتل سے ہو کے نکلے ہیں عزّت مآب ہم

سہا وہ ظلم کہ اب کچھ پتہ نہیں چلتا

ہمارے ہاتھ قلم ہیں کہ سر بُریدہ ہیں

بلایا اِتنے تسلسل سے اہلِ کوفہ نے

نکلنا مجھ کو پڑا آخرش مدینے سے

دشت ہے، دریا ہے اور فوجِ یزید

کربلائے بے اماں ہے اور میں

پہلے تو ہمیں مارا گیا دشت میں لا کر

اور بعد میں اِک خلق عزادار ہوئی ہے

(زادِ حرف، ص ۱۱۔۱۲) (۳۹)

اشرف نقوی کی شاعری میں جہاں واقعۂ کربلا کے حوالے سے استعارات استعمال ہوئے ہیں وہاں مذہبی اور تہذیبی حوالے سے بھی ہمیں کافی استعارات ملتے ہیں جیسے 'کُن' کا استعارہ اشرف کا پسندیدہ استعارہ ہے اور اِسی طرح 'دشت' کے استعارے سے بھی اشرف نقوی کا خاص لگاؤ محسوس ہوتا ہے۔ ''زادِ حرف'' میں ہمیں ان استعاروں کا وافر استعمال نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن ''زادِ حرف'' میں استعمال ہونے والے مذہبی، تہذیبی اور تاریخی استعارات کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

”اشرف نقوی کے اِس مجموعے میں کربلا کے علاوہ بھی ہمارے مجموعی مذہبی اور تہذیبی ورثے سے متعدد استعارات وضع ہوئے ہیں۔ یہ استعارے جہاں اُن کی اجتمائی شعور کی عکاسی کرتے ہیں وہاں ان کے ذہن کی خاص ساخت کو بھی بیان کرتے ہیں جو زندگی کا جائزہ مخصوص اساطیری فضا میں لیتا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام اُنھوں نے شعوری سطح پر نہیں کیا بلکہ یہ خود بخود تخلیقی عمل کا حصہ بن کر ہوا ہے۔ اِس لیے اس کی معنویت میں اور بھی گہرائی پیدا ہو گئی ہے۔ ہر شاعر اِستعارات اپنے تہذیبی ورثے سے ہی اخذ کرتا ہے:

مِلے گی کوئی زلیخا تو دیکھا جائے گا

ابھی تلک تو ہماری قبا سلامت ہے

آیتِ حُسن کی تلاوت کو

حُسنِ تفسیر سے الگ رکھا

کشتیِ نوح بھیج دے یارب!

میری بستی میں آ گیا پانی

کیا فرشتوں نے سجدہ بروزِ صبحِ ازل

تمھیں خبر ہے کہ ہم کتنے برگزیدہ ہیں

گرچہ ملائکہ نے فسادی بشر کہا

پھر بھی مجھے خدا نے اُتارا زمین پر

ہوئی جس روز سے آباد مجھ سے

زمیں پر آئی ہے اُفتاد مجھ سے

مجھ کو مِرے مولا! مری اوقات میں رکھنا

پھیلاؤں نہ پاؤں کبھی چادر سے زیادہ

(زادِ حرف، ص ۱۲۔۱۳) (۴۰)

اشرف نقوی کے پسندیدہ استعاروں میں دشت، دریا، چراغ، ستارہ، آنکھ، اشک، ہجر، وصال، خواب، تعبیر، آئینہ، عکس، حیرانی اور کُن جیسے استعارے شامل ہیں لیکن کُن کا استعارہ ایک خاص تلمیحی استعارہ ہے جو اشرف نقوی کی شاعری میں کافی شدت سے استعمال ہوا ہے اور دوسرے استعاروں کی نسبت زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن کے بقول:

''اشرف نقوی کی شاعری میں ''کُن'' کا استعارہ بھی تواتر سے آیا ہے۔ ہماری تہذیبی فکر میں تخلیقِ کائنات، تخلیقِ آدم اور ہبوطِ آدم کے قصّوں کو انسان، کائنات اور خدا کی تفہیم میں بنیادی استعاروں کی حیثیت حاصل ہے اور ہمارے تمام ہی شاعروں نے انھیں کسی نہ کسی صورت اور کسی نہ کسی حد تک برتا ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری میں جہاں یہ تخلیقی رویّوں کی آرزو کا اظہار یہ ہے وہاں موجودہ دور کے تخلیقی بنجر پن کے خلاف احتجاج بھی ہے۔ مالیاتی کارپوریشنوں نے جس نئے گلوبلائزڈ کلچر کو دُنیا سے متعارف کروایا ہے اس میں انسان کی حیثیت شے سے زیادہ نہیں رہی۔ اِس نظام میں غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوا ہے۔ ایسے میں ضروری تھا کہ خدا کا ایک مجہول تصوّر دیا جائے جو امیروں کے مطابق عمل کرتا ہو اور اِنسانوں کو تقدیر کا غلام بنا دیا جائے۔ علامہ اقبال کی ساری شاعری اِس نظریے کے خلاف تھی اور وہ خدا اور مذہب کی طاقت و تصوّر کے قائل تھے جو انسان کو راضی بہ تقدیر کرنے کی بجائے اس کو تقدیر پر تصرّف عطا کرے۔ اشرف

نقوی کی آرزوئے کُن بھی اِسی رویّے کی آئینہ دار ہے۔ وہ اِس نظامِ زندگی کو ختم کر کے ایک نئی دُنیا بنانے کے خواہش مند ہیں:

میں نہیں تھا جب عالمِ کُن میں

تب بھی منظر میں جلوہ گر تھا میں

وقت سے کہہ دو کہ ناوقت میں تبدیل نہ ہو

میں ابھی کُن کی ہوں تفسیر سے بندھ کر بیٹھا

اے خدا! پھر سے اِک صدائے کُن

میرا ہر زیروبم ادھورا ہے

میرا ہونا اِس عالمِ کُن میں

باعثِ افتخات تجھ سے ہے

جو گونجے آج بھی اشرف صدائے کُن پھر سے

تو اِک جہان نیا لامکاں سے آتا ہے

(زادِ حرف، ص ۱۳۔۱۴) (۴۱)

اشرف نقوی ایک فراق پسند شاعر ہیں۔ ان کی فراق پسندی کا اظہار ان کی غزلوں میں جا بجا ملتا ہے۔ وہ وصال کے مقابلے میں فراق کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فراق محبت کے جذبے میں شدت پیدا کرتا ہے اور وصال سے محبت کے جذبے میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ ''زادِ حرف'' کی غزلوں میں اشرف نقوی کی فراق پسندی یا ہجر پسندی جگہ جگہ نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن اشرف نقوی کی فراق پسندی کے بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے موجودہ شعری منظر نامے میں اشرف نقوی ایسے شاعر ہیں جو فراق پسند نظر آتے ہیں۔ ان کے اِس رویّے کے پس منظر میں کچھ دیگر محرّکات نظر آتے ہیں۔ ان کا جائزہ لینے سے پہلے کچھ اشعار دیکھیے:

مجھے خبر ہے کہ ہوتا ہے کیا فراق کا دُکھ

میں وہ ستارہ ہوں جو کہکشاں سے باہر ہے

ہجر نے ہی تو مجھے وصل کی آسانی دی

قرب ورنہ تِرا آسان کہاں تھا پہلے

عشق نے جب خراج مانگا تو

ہجر کا فیصلہ کیا میں نے

خواہشِ وصل کو صورت وہ عطا کر دی ہے

ہجر پائندہ رہے، ہم نے دُعا کر دی ہے

ہجر ہے اِک حقیقت ابدی

وصل کا لمحہ کتنا فانی ہے

ہجر معراج ہے محبت کی

اور محبت وصال میں خوش ہے

شامِ وصال میرے مقدّر میں تھی، مگر

اِک ہجر اپنے نام کیا اور چُپ رہا

فراق کی ردیف میں لکھی ہوئی غزل کے علاوہ بھی اِس مجموعے میں متعدد اشعار ہجر کے حوالے سے مل جاتے ہیں جو شاعر کی ہجر آشنائی کی خبر دیتے ہیں۔ اقبال نے ہجر کو فلسفہ اور نظریۂ حیات بنادیا ہے جبکہ اشرف نقوی کی شاعری میں ہجر عدم رسائی کا استعارہ ہے۔ یہ استعارہ ایسے ہی دَور میں ممکن تھا جب زندگی انسان کی رسائی سے باہر نکل گئی ہے اور اس کے حصول کے لیے انسان کو اپنی آرزوئیں، تمنّائیں، آدرش اور ایمان قربان کرنے پڑتے ہوں۔ اِس لیے عزتِ نفس رکھنے والے لوگ اور شاعر ہجر کا فیصلہ کرتے ہیں۔ غزل کا شاعر زندگی کی عکاسی استعاروں میں کرتا ہے، اِس لیے اُس کا بیانیہ براہِ راست نہیں ہوتا اور شاعرانہ عناصر سے مالا مال ہوتا ہے۔ اشرف نقوی نے مختلف استعاروں میں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ہوا ہے، سماجی زندگی کی عکاسی بھی کی ہے اور ایک اعلیٰ تخلیقی وانسانی زندگی کی آرزو بھی اپنے قاری کو دی ہے۔ اِس لحاظ سے ان کی شاعری ہمیں براہِ راست متاثر کرتی ہے۔"

(زادِ حرف، ص ۱۳۔۱۴)

اشرف نقوی کی زیادہ تر شاعری چھوٹی بحروں میں ہے۔ چھوٹی بحروں کے معاملے میں وہ ناصر کاظمی کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پر چھوٹی بحر میں شعر کہنا بہت آسان سمجھا جاتا ہے لیکن چھوٹی بحر میں اچھا شعر نکالنا کافی

مشکل ہوتا ہے۔ بعض شعراء کی چھوٹی بحر کی شاعری اُنھیں مشکل میں ڈال دیتی ہے لیکن اشرف نقوی کی شاعری میں اچھے اشعار کی بہتات اس بات کی نشاندہی بھی کہ وہ کم سے کم لفظوں میں بڑی بات کہنے کا ہُنر جانتے ہیں۔ بقول سمیعہ نعیم:

"اشرف نقوی اپنی چھوٹی بحر کی غزلوں میں بڑی بات کر جاتے ہیں۔"

جو میری سورۂ والعصر پر نظر ہوتی

میں ہر خسارے سے آگے نکل گیا ہوتا

اِک اِسمِ خاص کی یہ پڑھائی کا وقت ہے

سب مل کے دو صدا کہ دُہائی کا وقت ہے

(مقالہ سمیعہ نعیم، ص ۲۱۲) (۴۳)

اشرف نقوی کی شاعری میں دشت اپنی وسعتوں کے ساتھ دور دور تک پھیلا دِکھائی دیتا ہے۔ دشت کا استعارہ گرمی اور پیاس کی شِدّت کو ظاہر کرتا ہے کہ جب مسافر کسی ریگزار میں سفر کر رہا ہو تو تیز دھوپ کی شدت اور سائے کی عدم دستیابی کے ساتھ پیاس بجھانے کے لیے پانی کا نہ ملنا، یہ سب چیزیں مل کر دشت کو نارسائی کی علامت اور استعارہ بناتی ہیں۔ دشت کا استعارہ خاص طور پر واقعۂ کربلا سے جُڑا ہوا ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور اُن کے رفقاء کا دشت میں طویل سفر اور قیام اور دریائے فرات کا پانی بند ہونا، سب واقعات دشت کے استعارے میں سموئے ہوئے ہیں۔

بقول سمیعہ نعیم:

"اشرف نقوی کی شاعری میں دشت دور دور تک پھیلا نظر آتا ہے۔"

(مقالہ سمیعہ نعیم، ص ۲۱۲) (۴۵)

اظہر عباس اشرف نقوی کی شاعری میں دشت کے استعارے کے بارے میں کہتے ہیں:

"اشرف نقوی کی شاعری میں دشت دُور دُور تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اصل میں یہ استعارہ اُس ویرانی کی طرف اِشارہ کرتا ہے جو اشرف نقوی کی ذات میں پنہاں ہے۔"

(مقالہ وجیہہ زہرا، ص۴۴) (۴۶)

اِسی حوالے سے اشرف نقوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں دشت کا استعارہ اپنی پوری آب و تاب اور بے کرانی کے ساتھ تا حدِّ نظر پھیلا دِکھائی دیتا ہے۔

ہوں کیوں نہ پشیماں در و دیوار ہمارے

ملتے ہیں کسی دشت سے آثار ہمارے

(آخرش، ص۲۵) (۴۷)

روز اِس دشت میں کربل سی بپا ہوتی ہے

روز آتا ہے محرم کا مہینہ دل میں

(آخرش، ص۲۹) (۴۸)

سنا رہا ہے کہانی یہی غبار مِرا

مِلا ہوا ہے کسی دشت سے دیار مِرا

(آخرش، ص۳۱) (۴۹)

آیا ہوں بھرے شہر سے اِک دشت کی جانب

اِک ہجر لیے نقل مکانی کے علاوہ

(زادِ حرف، ص ۳۱) (۵۰)

یہ دشتِ نجد ہے میرا ٹھکانہ

یہیں تم پاؤ گے آثار میرے

(زادِ حرف، ص۵۷) (۵۱)

دشت ہے، دریا ہے اور فوجِ یزید

کربلائے بے اماں ہے اور میں

(زادِ حرف، ص۶۸) (۵۲)

وحشت میں ہم کو گھر سے نکلنا نہیں پڑا

گھر بھی مثلِ دشت ہمارا ہے اِن دِنوں

(زادِ حرف، ص۸۲) (۵۳)

بنجر تمھارے دل کی زمیں ہے تو کیا ہوا

اِس دشت میں اُگاتے رہیں گے گلاب ہم

(زادِ حرف، ص۱۱۵) (۵۴)

صورتِ ربط یوں نکالیں گے

دل کو ہم دشت سے ملالیں گے

(آخرش، ص۷۱) (۵۵)

اِک خواب کی مانند حقیقت تھی ہماری

دریا تھے مگر دشت سی صورت تھی ہماری

(اخرش، ص۹۷) (۵۶)

ازل سے ہوں مکینِ دشتِ وحشت

مگر گھر مسیں گزارہ ہو رہا ہے

(آخرش، ص۱۵۷) (۵۷)

دشت اشرف نقوی کے دونوں مجموعوں ''آخرش'' اور ''زادِ حرف'' میں استعمال ہوا ہے لیکن ''دشت'' کا زیادہ تر استعمال اشرف نقوی نے اپنے پہلے مجموعے ''آخرش'' میں کیا ہے

اشرف نقوی نے معاشرے کو درپیش مسائل پر بھی قلم اُٹھایا۔

بقول سمیعہ نعیم:

''وہ معاشرے کو درپیش معاشی مسائل کی دُہائی اِن الفاظ میں دیتے ہیں:

تمام عمر میں اِک گھر نہ بن سکا مجھ سے

میں خرچ ہوتا رہا بس مکاں بناتے ہوئے

(مقالہ سمیعہ نعیم، ص۳۶۔۳۷) (۵۸)

اشرف نقوی کی شاعری میں احساسِ محرومی کی شِدّت کا احساس ہوتا ہے۔ اپنی غزلوں میں وہ ادھورے پن کا شکار نظر آتے ہیں۔

اُن کے چند اشعار جن میں شدت سے محرومی کا احساس ہوتا ہے، ملاحظہ ہوں:

اے دستِ ہُنر تیرا ہی اعجاز ہے شاید

بننے بھی نہیں پائے کہ مسمار ہوئے ہم

(آخرش، ص۴۵) (۵۹)

ہوں ادُھورا، مجھے مکمل کر

مجھ کو مالک! گزار مٹی سے

(آخرِش، ص ۷۰) (۶۰)

میں اپنے آپ سے باہر پڑا رہوں کب تک

جو ہو سکے تو مِری خاک سے گزار مجھے

(زادِ حرف، ص ۵۵) (۶۱)

اے خدا پھر سے اِک صدائے کُن

میرا ہر زیر و بم ادُھورا ہے

(زادِ حرف، ص ۷۷) (۶۲)

اِس سے پیکر بناؤں گا اپنا

یہ جو مٹی بھگو رہا ہوں میں

(آخرِش، ص ۸۱) (۶۳)

اِک نظر، میرے دل پہ ایک نظر!

میں کہ پتھر ہوں، آئینہ کر دے

(آخرِش، ص ۱۰۳) (۶۴)

کچھ کارِ ہُنر کوزہ گرا! میرے، دکھا بھی

مٹی ہوں، مجھے گوندھ، مجھے چاک پہ لا بھی

(آخرِش، ص ۲۷) (۶۵)

اِسی لیے تو ابھی تک میں نامکمل ہوں

ادھورا چاک سے مجھ کو اُٹھالیا گیا تھا

(آخرش، ص ۲۳) (۶۵)

اشرف نقوی نے اپنے دوسرے مجموعے ''زادِ حرف'' میں محبوب کے ہجر میں سلگنے کو عشقِ حقیقی قرار دیا ہے۔ وہ محبوب کے دیئے ہوئے ستم سے لطف کشید کرتے دِکھائی دیتے ہیں۔ اگر ''زادِ حرف'' پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اشرف نقوی بھی ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی طرح محبوب سے وصال کے خواہش مند نہیں بلکہ محبوب کے فراق میں کُڑھنے اور مضطرب رہنے کو حقیقی عشق سمجھتے ہیں۔

بقول وجیہہ زہرا زیدی:

''اشرف نقوی کے مجموعہ ''زادِ حرف'' پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ اشرف نقوی علامہ اقبال کی طرح محبوب کی قربت نہیں مانگتا۔ محبوب کے ہجر میں سلگنے کو حقیقی عشق کہتا ہے۔ محبوب کے دیے ہوئے ستم اور غم سے لطف اندوز ہونے کا ہُنر اشرف نقوی خوب جانتا ہے۔ کرب میں قُرب کا مزا تو سچا عاشق جانتا ہے۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اکثر شعراء کی غزلوں کی معنویت کُلی ایک جیسی ہوتی ہے مگر اشرف نقوی کی شاعری میں یہ خوبی ہے کہ اس کے ہر شعر کی معنویت منفرد وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔ غزل کا کرافٹ بھی اُس وقت بلند ہوتا ہے جب ہر شعر اپنی علیحدہ معنویت رکھتا ہو۔ اشرف نقوی کی شاعری میں مزاحمت کے ساتھ قدامت پسندی کا عنصر بھی واضح ہے اور جدت کی طرف بڑھتا ہوا جنون بھی ہے۔'' (مقالہ وجیہہ زہرا زیدی، ص ۴۱) (۶۷)

اشرف نقوی مکمل طور پر ادبی رموز کو سمجھتے ہوئے سرائیکی زبان کے صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فرید کے اِس شعر کی لائن پر کاربند ہے:

تھک نہ بہہ تے نہ ہار فریدا!

نت یار دادہر اپرے توں پرے

مقالہ وجیہہ زہرا زیدی، ص ۴۱) (۶۸)

اشرف نقوی نے شاعری کی ابتدا کسی شاعر سے متأثر ہو کر نہیں کی۔ پھر جیسے جیسے مطالعہ کرتے گئے مختلف شعراء سے متأثر ہوتے گئے۔ اشرف نقوی نے بہت سے شعراء کو پڑھا اور اُنھیں پسند بھی کیا لیکن کسی پر اپنی چھاپ نہیں لگنے دی۔ البتہ میر تقی میرؔ اور مرزا اسد اللہ خان غالب کے گرویدہ ہیں۔

اشرف نقوی ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"جب شاعری کی ابتداء کی تو کسی خاص رائٹر نے متأثر نہیں کیا لیکن بعد میں مجھے ناصر کاظمی، احمد فراز، مجید امجد کی شاعری کے کافی متأثر کیا لیکن میری کوشش یہی رہی کہ ان میں سے کسی کی چھاپ اپنے اوپر نہ آنے دوں۔" (مقالہ وجیہہ زہرا زیدی، ص ۴۲) (۶۹)

اشرف نقوی کو ادبی حلقوں اور دوستوں میں نہایت سادہ اور شریف آدمی سمجھا جاتا ہے۔ ان کے سب دوست ان کی سادگی اور شرافت کی گواہی دیتے ہیں۔ اشرف نقوی کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے اظہر عباس لکھتے ہیں:

"جہاں تک اشرف نقوی کو ہم جانتے ہیں اور جتنا جانتے ہیں اُس کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ شریف آدمی ہے اور شریف بھی ایسا کہ آج تک کسی عشق کو مزے لے کر سنانا تو درکنار، اِشاروں کنایوں میں بھی بیان نہیں کیا۔ وہ تو اُن کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتنے "حضرت" ہیں؟ پہلوان جیسے سینے میں چڑیا جیسا نرم و نازک دل لیے پھرتے ہیں جو آبگینوں کو ٹھیس لگنے کے انتظار میں پڑا مچلتا رہتا ہے۔ باوجود اِس کے کہ اس کے کسی عشق کا فسانہ اس گلی تک پہنچا نہ ہم تک، مگر ان کی شاعری میں ہجر کا استعارہ ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔

ہمیں نے دینِ محبت جہاں میں پھیلایا

ہمیں پہ تہمتِ یاراں کہ بے عقیدہ ہیں

ہر عہد کے شعراء کی طرح اشرف نقوی بھی میر تقی میر سے متأثر ہیں۔ انھوں نے بھی میر تقی میر کی شعری عظمت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

لفظ تاثیر سے الگ رکھا

شعر جو میرؔ سے الگ رکھا

رنج شعروں میں ڈھالنا اشرف

مِیر صاحب سے استفادہ ہے

نہ اب ہے میرؔ سا رنگِ سخن، نہ غالب سا

کہ جب سے رُوٹھ کے اہلِ زباں چلے ہیں

(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی، ص ۴۵۔۴۶) (۷۰)

پنجابی صوفی شاعری کی طرح اُردو شاعری میں بھی تصوّف کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اساتذہ کے اکثر اشعار میں ہمیں تصوّف پر مبنی اشعار ملتے ہیں۔ تصوّف کے حوالے سے ہمیں میر تقی میر، خواجہ میر درد اور امیر مینائی کی شاعری میں بہت سے صوفیانہ شعر نظر آتے ہیں، خصوصاً خواجہ میر دردؔ کو تو باقاعدہ صوفی شاعر کہا جاتا ہے۔ عہدِ موجود میں ہمیں اشرف نقوی کی شاعری میں بھی کچھ صوفیانہ اشعار ملتے ہیں۔

اشرف نقوی کی شاعری میں تصوّف کے حوالے سے وجیہہ زہرا اپنے مقالے میں رقمطراز ہیں کہ:

" اشرف نقوی کے ہاں تصوّف کا عنصر صاف دِکھائی دیتا ہے۔ اُن کے اشعار کا پس منظر خدا پر یقین اور اُمید پر ہے۔ اللہ کی وحدانیت کا اعتراف بھی اُن کے ہاں نظر آتا ہے۔ تصوّف اور اس کے معاملات اُردو شاعری کے اہم ترین موضوعات میں سے رہے ہیں۔ عشق میں فنائیت کا تصور دراَصل عشقِ حقیقی کا پیدا کردہ ہے۔ ساتھ ہی زندگی کی عدم ثباتی انسانوں کے ساتھ رواداری اور مذہبی شدت پسندی کے مقابلے میں ایک بہت لچک دار رویّے نے شاعری کی اِس جہت کو بہت ثروت مند بنایا ہے۔ دیکھنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ تصوّف کے مضامین کو شعراء نے کس فنی ہنر مندی اور تخلیقی احساس کے ساتھ خالص شعر کی شکل میں پیش کیا ہے۔

تصوّف سے متعلق اشرف نقوی کے یہ شعر ملاحظہ کریں:

کُن کا سارا وقار مٹی سے

ہے خدا کو بھی پیار مٹی سے

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ہوں اُدھورا، مجھے مکمّل کر

مجھ کو مالک! گزار مٹی سے

(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی، ص۴۸) (۷۱)

اے خدا! پھر سے اِک صدائے کُن

میــــرا ہر زیر و بم ادھورا ہے

(زادِ حرف، ص۷۷) (۷۲)

اشرف نقوی کی شاعری میں تصوّف، محبت اور دیگر موضوعات کی طرح ہجر و فراق کا موضوع بھی بہت سے اشعار میں ملتا ہے۔ اُنھوں نے اپنے مختلف اشعار میں ہجر و فراق کے درد اور اس کے احساس کو بیان کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اشرف نقوی نے اپنے اِن اشعار میں کسی ایسے شخص کا دُکھ بیان کیا ہے جس سے اُس کا محبوب بچھڑ گیا ہو۔

ہجر و فراق کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے اشرف نقوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دل، ہم نے جسے ہجر سے آباد کیا ہے

ممکن ہے کسی روز بنے وصل سرا بھی (آخرش، ص۲۸) (۷۳)

ہجر سے جو ملا کے رکھا ہے

غم وہ جگنو بنا کے رکھا ہے

(آخرش، ص۳۵) (۷۴)

یہ ہجر ہی تو ہے تیرے وصال کا حاصل

اِسی چراغ کو جلنا ہے عمر بھر مجھ میں

(آخرِش،۳۹) (۷۵)

اشرفؔ مرے لیے تو قیامت کی ہے گھڑی

یہ وقت جو کسی سے جدائی کا وقت ہے

(زادِ حرف، ص۸۶) (۷۶)

ہر شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل سے آگاہی رکھتا ہو۔ اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ اُس کے اِرد گرد کیا ہو رہا ہے، لوگوں کو کن سماجی اور معاشی مسائل کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے؟ ملک کا سیاسی منظر نامہ کیا ہے اور حکمرانوں کی کیا ترجیحات ہیں اور کن معاملات سے چشم پوشی برت رہے ہیں۔ شاعر کو عصری شعور کا اِدراک ہونا چاہیے اور اشرف نقوی مندرجہ بالا مسائل کا مکمل اِدراک رکھتے ہیں۔

مظہر علی وِرک اشرف نقوی کی شاعری میں عصری شعور کے اِدراک کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''اشرف نقوی حالات و واقعات پر گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ اُن کی شاعری میں بھی عصری مسائل کی نشان دہی نظر آتی ہے اور ان مسائل کے حل کے لیے اُن کے ہاں شعور کی رو بھی نظر آتی ہے۔ معاشرے کے فرد کی حیثیت سے اُنھوں نے جیسا محسوس کیا اُس کو لفظوں کی صورت میں محفوظ کر لیا۔ سماجی رویّہ معاشرے کی جنم دیتا ہے۔ ان رویّوں کو مثبت سمت دینے کے لیے وہ فرد کی ذات کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔'' (مقالہ مظہر علی وِرک، ص۶۸) (۷۷)

اشرف نقوی کا شعری اسلوب نہایت سادہ اور ابلاغ آمیز ہے۔ اُن کی شاعری پڑھنے والے کو اُن کے اشعار کی تفہیم میں کوئی مشکل در پیش نہیں آتی۔ ان کی شاعری قاری کے ذہن پر دستک دیتی اور ذہن کو آسودگی فراہم کرتی ہے۔ ان کے الفاظ کا چناؤ بہت سادہ اور سلیس ہے۔ قاری اس شاعری کو پڑھتے وقت کسی قسم ذہنی کشمکش کا شکار نہیں ہوتا۔ اشرف نقوی کی شاعری میں تراکیب، علامات، تلازمات، استعارات کا استعمال اسے خوب صورتی عطا کرتا ہے۔

بقول وجیہہ زہرا زیدی:

> ''اشرف نقوی کے ہاں مصرعوں کی برجستگی اور فراوانی ہے اور اُسلوب اِتنا سادہ ہے کہ قاری کو پڑھنے میں دِقّت نہیں ہوتی ہے۔ اُس کو آسانی سے سمجھ آ جاتا ہے۔ غزل کی مکمل ہیئت میں قافیہ اور ردیف کا التزام نظم کی مختلف شکلوں میں بھی موجود ہے اور اِس سے نظم کی خوب صورتی

میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نظم کی مختلف شکلوں میں غزل کا آہنگ اور اس کی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اشرف نقوی کے ہاں بھی اس کا اثر دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کے ہاں مصرعے چھوٹی بحر کے ہیں مگر مصنوعی لحاظ سے ربط ہے اور ردیف قافیہ کا بھی باقاعدہ التزام موجود ہے۔"

(مقالہ وجیہہ زہرا زیدی، ص۸۷) (۷۸)

اشرف نقوی کی شاعری سے نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے:

چلی ہے خود سے عجب ایک چال میں نے بھی
دیا ہے ہجر کو رنگِ وصال میں نے بھی

اُدھر وہ رویا ہے فرقت میں میری، اور اِدھر
گزارا یاد میں اُس کی، یہ سال میں نے بھی

زمانہ ساز تھے دونوں کہ رسمِ دُنیا کا
خیال اُس نے بھی رکھا، خیال میں نے بھی

میں اُس کے دل میں رہا اور اُسے خبر نہ ہوئی
محبتوں میں کیا یہ کمال میں نے بھی

نصیب گرچہ تھے دونوں کے ایک سے اشرف

عروج اُس نے بھی دیکھا، زوال میں نے بھی

(آخرش، ص۳۷۔۳۸) (۷۹)

اشرف نقوی کی شاعری میں رومانوی فضا مصنوعی نہیں لگتی بلکہ حقیقت پسندی ہے جو ہر طرف نظر آتی ہے۔ رومان کے بغیر زندگی ادھوری سی محسوس ہوتی ہے۔ وہ رومان چاہے کائنات کی خوب صورتی کا ہو یا پھر انسانوں کے درمیان پیچیدہ اور نازک رشتوں کا۔ اسی سے ہی زندگی کی رونق مربوط ہے۔ ہم زندگی کی سفاک صورتوں سے بچنے کے لیے رومانوی لمحوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

اِسی حوالے سے اشرف نقوی لکھتے ہیں:

ہم خواب کے مجرم، کبھی تعبیر کے مجرم

تجویز کرے نیند ہی تعزیر ہماری

ہر ایک زمانے میں چلے جاتے تھے بے خوف

جب وقت ہوا کرتا تھا، جاگیر ہماری

(زادِ حرف، ص۴۵) (۸۰)

اشرف نقوی شاعری کے حوالے سے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"علامہ اقبال نے محبت کو فاتح عالم قرار دیا تھا۔ اگر دیکھا جائے تو تخلیقِ کائنات کی بنیاد بھی محبت پر ہی قائم ہے اور محبت کا بھی ایک نہیں، کئی پہلو ہیں اور شاعری میں اگر محبت جیسے لطیف اور ملائم جذبے کا اظہار نہیں تو شاعری صرف بیان بازی ہی رہ جاتی ہے۔ اِس لیے شاعری میں محبت

کے پہلو سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ شاعری کے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنی کے زندگی کے لیے آکسیجن۔" مقالہ وجیہہ زہرا زیدی، ص۸۸) (۸۱)

چند شعری مثالیں دیکھیں:

وصل کی شام شبِ ہجر میں تحلیل ہوئی

تب کہیں جا کے مِرے عشق کی تکمیل ہوئی

آ پڑا میری ہی دیوار کا سایہ مجھ پر

دھوپ میرے لیے یوں چھاؤں میں تبدیل ہوئی

نیند کے چاک پہ رکھا مجھے کوزہ گر نے

عالمِ خواب میں گویا مِری تشکیل ہوئی

تلمیح ایسی علامت یا استعارے کو کہتے ہیں جسے پڑھ کر دھیان کسی تاریخی واقعے یا کسی نامور تاریخی شخصیت کی طرف چلا جائے۔ تلمیح کے ذریعے شعر میں خوب صورتی پیدا کی جاتی ہے۔ تلمیح کے استعمال کے لیے شاعر کو تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری میں صنعتِ تلمیح کا استعمال بھی ہوا ہے جس کے ذریعے اشرف نقوی نے اپنے کلام میں خوب صورتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

بقول مظہر علی وِرک:

"اشرف نقوی نے بھی صنعتِ تلمیح کا استعمال کر کے اپنے کلام میں خوب صورتی پیدا کی ہے اگرچہ یہ تلمیحات نئی نہیں ہیں لیکن اِن کو جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ انداز نہ صرف نیا ہے بلکہ معنویت بھی نئی معلوم ہوتی ہے۔" (مقالہ مظہر علی وِرک ص۱۰۲) (۸۳)

اشرف نقوی کی شاعری میں جو تلمیحات استعمال ہوئی ہیں اُن کی چند مثالیں درجِ ذیل ہیں:

ہم وقت کے سرمد بھی ہیں، منصور بھی اشرف

گونجے گی ہر اِک دَور میں آواز ہماری

(زادِ حرف، ص ۶۴) (۸۳)

مولا! مثالِ عیسیٰ سرِ آسماں اُٹھا

ہونے لگا ہے اب تو خسارہ زمین پر

(زادِ حرف، ص ۷۴) (۸۵)

کِیا فرشتوں نے سجدہ بروزِ صبحِ ازل

تمھیں خبر ہے کہ ہم کتنے برگزیدہ ہیں

(زادِ حرف، ۸۷) (۸۶)

یوسف تو میں نہیں تھا، پہ بازارِ مصر میں

مائل مِری طرف بھی خریدار کچھ ہوا

(زادِ حرف، ص ۹۷) (۸۷)

ملے گی کوئی زلیخا تو دیکھا جائے گا

ابھی تلک تو ہماری قبا سلامت ہے

(زادِ حرف، ص ۱۰۱) (۸۸)

نیزے پہ سر ہے اور بدن تپتی ریت پر

مقتل سے ہو کے نکلے ہیں عزت مآب ہم

(زادِ حرف، ص ۱۱۵) (۸۹)

مجھ سے مجھ کو کبھی ملنے بھی نہیں دیتا ہے

یعنی پانی کو ہی پانی سے الگ رکھتا ہے

(زادِ حرف،۱۵۰) (۹۰)

کشتیِ نوح بھیج دے یارب!

میری بستی میں آگیا پانی

(زادِ حرف،ص۱۵۶) (۹۱)

خیبر میں جو نبیؐ نے علیؓ کو عطا کیا

اب تک وہ سربلند عَلم روشنی کا ہے

(حرفِ مدحت،ص۳۳) (۹۲)

اشرف نقوی چونکہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں اِس لیے اُن کی شاعری میں صنعتوں کا استعمال اُن کی شاعری کا خاصہ ہے جو اُن کی شاعری میں گہرائی پیدا کرتا ہے۔

اشرف نقوی کے مجموعوں سے اُن کے فن کی پختگی کا احساس ہوتا ہے اور اُن کی شاعری پڑھنے والے کے دل پر اثر کرتی نظر آتی ہے۔ کلاسیکیت، موسیقیت، استعارات ردیف، قافیہ، برجستہ مصرعوں کا استعمال، محاورات اور روزمرّہ کا جس خوب صورتی سے شاعری میں استعمال کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اشرف نقوی اپنے شعری سفر میں مددگار ثابت ہونے والی شخصیات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے مجموعۂ کلام ''زادِ حرف'' میں ''خودکلامی'' کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

''مجھے اپنے شعری سفر میں جن احباب کا تعاون اور مدد حاصل رہی میں اُن کا فرداً فرداً ممنون و متشکر ہوں اور اُن کے لیے دل کی گہرائیوں سے سپاس گزار اور دُعا گو ہوں۔ میرے اِن احباب میں برادرم ارشد نعیم، شاہین عباس، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر خالد ندیم، نوید رضا، اصغر علی جاوید،

پروفیسر محمد اکرم سعید، اظہر عباس، نعیم گیلانی، پروفیسر علی آصف، پروفیسر محمد اکرم سرا، پروفیسر صدیق شاہد، سید انتصار حسین عابدی اور پروفیسر خرم عباس ورک جیسے سخن ور اور سخن دوست شامل ہیں جنھوں نے علمی و ادبی تنظیم "دریچہ" کی صورت میں رفاقتوں اور محبتوں کا ایسا خوب صورت اور دل کش حلقہ قائم کر رکھا ہے جس سے نکلنے کا تصوّر بھی میرے لیے محال ہے۔ اِن سب دوستوں نے میرے ادبی اور شعری سفر کے مختلف مراحل پر جس طرح میری رہنمائی اور پذیرائی کی، وہ میرے لیے اثاثۂ حیات ہے۔ ایک اور اہم شخصیت جس کا مجھے خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ہے وہ میری شریکِ حیات سیّدہ روبینہ بخاری ہے جس نے مجھے گھر میں شعر و ادب کے لیے ساز گار ماحول فراہم کیا اور شعر و سخن کے تسلسل کے لیے میری ہمت بندھائی۔"

(زادِ حرف، ص۲۱) (۹۳)

حواشی

۱۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف"، لاہور، انحراف پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص۱۱

۲۔ ایضاً، ص۱۶

۳۔ مظہر علی ورک، "اشرف نقوی، حیات اور ادبی خدمات (مقالہ برائے ایم فل اُردو، AIOU)، ۲۰۱۸ء، ص۲۰۱

۴۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف"، ص۱۹

۵۔ اشرف نقوی، "حرفِ مدحت"، شیخوپورہ، فرح پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء، بیک فلیپ

۶۔ اشرف نقوی، "آخرش"، لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۶ء، بیک فلیپ

۷۔ اشرف نقوی، "آخرش"، بیک فلیپ

۸۔ اشفاق احمد ورک ڈاکٹر، "اشرف الشعراء"، ماہنامہ الحمراء، جولائی ۲۰۲۳ء، ص۵۷

۹۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف"، ص۱۶

۱۰۔ ایضاً، ص۱۸۔۱۹

۱۱۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف"، ص ۱۱

۱۲۔ وجیہہ زہرا زیدی، "اشرف نقوی کی ادبی خدمات" (مقالہ برائے ایم فل اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا)، ۲۰۱۷، ص۳۴

۱۳۔ اشرف نقوی، "آخرش" ص۲۹

۱۴۔ ایضاً، ص۱۷

۱۵۔ ایضاً، ص۸۵

۱۶۔ ایضاً، ص۹۵

۱۷۔ اشرف نقوی،"آخرش" ،ص۱۱۵

۱۸۔ ایضاً ،ص۱۴۳

۱۹۔ مظہر علی وِرک،"اشرف نقوی،حیات اور ادبی خدمات،ص۶۸

۲۰۔ اشفاق احمد وِرک ڈاکٹر،"اشرف الشعراء،ص۵۷

۲۱۔ اشرف نقوی،"زادِ حرف"،فرنٹ فلیپ،

۲۲۔ ایضاً،بیک فلیپ

۲۳۔ ایضاً،بیک فلیپ

۲۴۔ ایضاً ،بیک فلیپ

۲۵۔ سمیعہ نعیم،"شیخوپورہ کی ادبی تنظیم "دریچہ" کی علمی وادبی خدمات"،(مقالہ برائے ایم فل جی سی یونیورسٹی فیصل آباد)۲۰۱۷ء،ص۹

۲۶۔ اشرف نقوی،"آخرش"،ص۴۹۔۵۰

۲۷۔ سمیعہ نعیم،"شیخوپورہ کی ادبی تنظیم "دریچہ" کی علمی وادبی خدمات" ،ص۲۱۳۔۲۱۴

۲۸۔ ایضاً ،ص۲۱۴

۲۹۔ ایضاً ،ص۲۱۴

۳۰۔ مظہر علی وِرک،"اشرف نقوی،حیات اور ادبی خدمات،ص۱۹۷۔۱۹۸

۳۱۔ ایضاً ،ص۲۰۰

۳۲۔ اشرف نقوی،"آخرش"،ص۲۱۔۲۲

۳۳۔ مظہر علی وِرک،"اشرف نقوی،حیات اور ادبی خدمات،ص۲۰۲

۳۴۔ اشرف نقوی،"زادِ حرف"،۱۶۔۱۷

۳۵۔ مظہر علی وِرک، "اشرف نقوی، حیات اور ادبی خدمات، ص ۲۰۲۔۲۰۳

۳۶۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف" ، ص ۶۶

۳۷۔ مظہر علی وِرک، "اشرف نقوی، حیات اور ادبی خدمات، ص ۲۰۵

۳۸۔ ایضاً ، ص ۲۰۶

۳۹۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف"، ص ۱۲

۴۰۔ ایضاً ، ص ۱۲۔۱۳

۴۱۔ ایضاً ، ص ۱۳۔۱۴

۴۲۔ ایضاً ، ص ۱۳۔۱۴

۴۳۔ سمیعہ نعیم، "شیخوپورہ کی ادبی تنظیم "دریچہ" کی علمی و ادبی خدمات"، ص ۲۱۲

۴۴۔ ایضاً ، ص ۲۱۳

۴۵۔ ایضاً ، ص ۲۱۲

۴۶۔ وجیہہ زہرا زیدی، "اشرف نقوی کی ادبی خدمات"، ص ۴۴

۴۷۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف"، ص ۲۵

۴۸۔ ایضاً ، ص ۲۹

۴۹۔ ایضاً ، ص ۳۱

۵۰۔ اشرف نقوی، "زادِ حرف"، ص ۳۱

۵۱۔ ایضاً ، ص ۵۷

۵۲۔ ایضاً ، ص ۶۸

۵۳۔ ایضاً ، ص ۸۲

۵۴۔ اشرف نقوی، ''زادِ حرف''، ص۱۱۵

۵۵۔ اشرف نقوی، ''آخرش''، ص۱۷

۵۶۔ ایضاً ، ص۹۷

۵۷۔ ایضاً ، ص۱۵۷

۵۸۔ سمیعہ نعیم، ''شیخوپورہ کی ادبی تنظیم ''دریچہ'' کی علمی و ادبی خدمات''، ص۳۶۔۳۷

۵۹۔ اشرف نقوی، ''آخرش''، ص۴۵

۶۰۔ ایضاً ، ص۷۰

۶۱۔ اشرف نقوی، ''زادِ حرف''، ص۵۵

۶۲۔ ایضاً ، ص۷۷

۶۳۔ اشرف نقوی، ''آخرش''، ص۸۱

۶۴۔ ایضاً ، ص۱۰۳

۶۵۔ ایضاً ، ص۲۷

۶۶۔ ایضاً ، ص۲۳

۶۷۔ وجیہہ زہرا زیدی، ''اشرف نقوی کی ادبی خدمات''، ص۴۱

۶۸۔ ایضاً ، ص۴۱

۶۹۔ ایضاً ، ص۴۲

۷۰۔ ایضاً ، ص۴۵۔۴۶

۷۱۔ ایضاً ، ص۷۷

۷۲۔ اشرف نقوی، ''زادِ حرف''، ص۷۷

۷۳۔ اشرف نقوی، ''آخرش''، ص۲۸

۷۴۔ ایضاً ، ص۳۵

۷۵۔ ایضاً ، ص۳۹

۷۶۔ اشرف نقوی، ''زادِ حرف''، ص۸۶

۷۷۔ مظہر علی ورک، ''اشرف نقوی، حیات اور ادبی خدمات، ص۶۸

۷۸۔ وجیہہ زہرا زیدی، ''اشرف نقوی کی ادبی خدمات''، ص۸۷

۷۹۔ اشرف نقوی، ''آخرش''، ص۳۷۔۳۸

۸۰۔ اشرف نقوی، ''زادِ حرف''، ص۴۵

۸۱۔ وجیہہ زہرا زیدی، ''اشرف نقوی کی ادبی خدمات'' ، ص۸۸

۸۲۔ اشرف نقوی، ''آخرش'' ص۳۳۔۳۴

۸۳۔ مظہر علی ورک، ''اشرف نقوی، حیات اور ادبی خدمات''، ص۱۰۲

۸۴۔ اشرف نقوی، ''زادِ حرف''، ص۶۴

۸۵۔ ایضاً ، ص۷۴

۸۶۔ ایضاً ، ص۸۷

۸۷۔ ایضاً ، ص۹۷

۸۸۔ ایضاً ، ص۱۰۱

۸۹۔ ایضاً ، ص۱۱۵

۹۰۔ ایضاً ، ص۱۵۰

۹۱۔ ایضاً ، ص۱۵۶

۹۲۔ اشرف نقوی، ”زادِ حرف“، ص۳۳

۹۳۔ ایضاً ،ص۹۳

باب چہارم

اشرف نقوی کی نعت گوئی

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدحت، تعریف و توصیف، شمائل و خصائص کے نظمی اندازِ بیاں کو **نعت** یا نعت خوانی یا نعت گوئی کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں میں نعت کے لیے لفظ "**مدحِ رسول**" استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بہت سے صحابہ کرام نے نعتیں لکھیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ نعت لکھنے والے کو نعت گو شاعر جبکہ نعت پڑھنے والے کو نعت خواں یا ثناخواں کہا جاتا ہے۔ نعت گوئی تقدیسی اسلامی ادب کی ایک اہم صنف ہے جس کا آغاز عہدِ رسالتؐ سے ہی ہو گیا تھا جب حضرت حسّان بن ثابتؓ نے آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں بہت خوب صورت نعتیں کہیں جو فصاحت و بلاغت کا عمدہ نمونہ ہیں۔

اس کے علاوہ کعب بن زہیر رَضی اللہُ تعالیٰ عنہٗ اور عبداللہ بن رواحہ رَضی اللہُ تعالیٰ عنہٗ نے ترنم سے نعتیں پڑھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود کئی مرتبہ حسان بن ثابت رَضی اللہُ تعالیٰ عنہٗ سے نعت سماعت فرمائی۔ حسان بن ثابت رَضی اللہُ تعالیٰ عنہٗ کے علاوہ بھی ایک طویل فہرست ہے، اُن صحابۂ کرام کی کہ جنھوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعتیں لکھیں اور پڑھیں۔ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لائے تو آپ کے استقبال میں انصار کی بچیوں نے دف پر نعت پڑھی، جس کا درج ذیل شعر شہرتِ دوام پا گیا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

نعت کے حوالے سے سب سے پہلا شاعر آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کو مانا جاتا ہے جنھوں نے آپؐ کی شان میں ایک نہایت خوبصورت قصیدہ کہا تھا جس کا آج بھی عربی کی شاہکار نعتوں میں شمار ہوتا ہے۔ نعت ہر زمانے میں کہی گئی ہے۔ ہر شاعر نے اپنے اپنے انداز میں اپنے آقا و مولاؐ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ عربی سے نعت کی روایت فارسی میں آئی تو شیخ سعدی شیرازی، مولانا جلال الدین رومی اور فردوسی جیسے شعراء نے بہت عمدہ اور خوب صورت نعتیں کہیں جو آج بھی مقبول اور زبان زدِ عام ہیں۔

اُردو میں نعت گوئی کی ابتدا کا سہرا حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے سر بندھتا ہے۔ پھر قلی محمد قطب شاہ سے یہ سلسلہ محسن کاکوروی تک آتا ہے۔ نعت گوئی کا یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ چند نعت گو شعراء جنھوں نے اپنے آپ کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا تھا اُن میں، خواجہ میر درد، امیر مینائی، احمد رضا خان بریلوی، حسن رضا بریلوی، محسن کاکوروی اور حفیظ تائب کے علاوہ حافظ لدھیانوی، حافظ مظہر الدین، مظفر وارثی، بیدم شاہ وارثی، مولانا ماہر القادری اور نعیم صدیقی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نامور نعت گو شعراء اپنے اپنے حصے کی نعت کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں۔ نعت گوئی کی ابتداء کے حوالے سے اصغر علی جاوید رقمطراز ہیں:

" اُردو زبان میں خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ نے نعت گوئی کی ابتداء کی۔ خواجہ گیسو درازؒ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ تک، قلی قطب شاہ سے محسن کاکورویؒ تک اور پھر حفیظ تائبؒ تک اُردو نعت نے خوب صورت قرائن بتائے جن میں نعت گوئی کے انداز کے تنوّع اور اسالیب کی رنگارنگی سے پتہ چلتا ہے کہ اِس صنفِ سخن میں کتنے قد آور لوگوں نے طبع آزمائی کی ہے۔" (حرفِ مدحت، ص۹) (۱)

نعت گوئی کا مقصد رسولِ کریم ﷺ کی شان و عظمت کو بیان کرتے ہوئے عقیدت و محبت کا اظہار کرنا ہے۔ نعت گوئی کے ذریعے شاعر اپنے دل کی گہرائیوں سے آپؐ سے اپنے والہانہ تعلق اور محبت کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت اور اُس کی نظر کرم کا طالب ہوتا ہے۔ نعتِ رسول دراصل اصناف سخن کی وہ نازک صنف ہے جس میں طبع آزمائی کرتے وقت اقلیم سخن کے تاجدار حضرت مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے:

لایُمکنُ الثناءُ کما کان حقّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یا پھر:

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اردو میں نعت ان اشعار کے لئے مخصوص ہے جو صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ممدوحہ میں کہے گئے ہوں۔ عربی میں اس کے لیے "مدح" کا لفظ مستعمل ہے۔ نظم اور نثر دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ انبیا، اولیا یا عام انسان ہر ایک کی تعریف وستائش اس ضمن میں آتی ہے۔

کسی انسان کی خوبیاں اگر اس کی زندگی میں بیان کی جائیں تو اس کو مدح کہتے ہیں اور اگر اس کے مرنے کے بعد اس کے اوصاف ومناقب کا ذکر کیا جائے تو اس کر مرثیہ کہتے ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ رسولؐ انسان کامل ہیں۔ وہ بشری صفات کا نہایت اعلیٰ وارفع نمونہ ہیں۔ ان کی حیات طیبہ کی مثل اعلیٰ اور مکارم اخلاق اسوۂ حسنہ ہیں اُن کی مدح وثناخود قرآن کریم میں جابجا مذکور ہے۔ قرآن کریم خود ان کے اخلاق اور سیرت طیبہ کا آئینہ ہے۔ ایسی عظیم المرتبت شخصیت کے اوصاف وکمالات، فضائل وشمائل کا بیان کرنا کسی معمولی کیا غیر معمولی انسان سے بھی ممکن نہیں۔ اسی لیے نعت میں مبالغہ اور غلو کی گنجائش ہرگز نہیں البتہ غیر محتاط انداز بیان بے ادبی اور گستاخی کے ذیل میں آجاتا ہے۔

اشرف نقوی نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا اور غزلیات کے دو مجموعے بھی ادب کے قارئین کی نذر کیے۔ اشرف نقوی کی کئی غزلوں میں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں، جو اِس بات کا ثبوت ہیں کہ اُن کے اندر کہیں نعت گو شاعر پوشیدہ تھا۔ مختلف ادبی رسائل وجرائد میں اُن کا نعتیہ کلام وقتاً وَفوقتاً شائع بھی ہوتا رہا۔

بقول ارشد نعیم:

> "اشرف نقوی کی بنیادی پہچان بھی ان کی غزل گوئی ہے اور ان کے دو شعری مجموعے "آخرش" اور "زادِ حرف" شائع ہو کر اہلِ نقد ونظر سے داد وصول کر چکے ہیں۔ اب اُنھوں نے حمد، نعت اور مناقب کے میدان میں قدم رکھا ہے تو عشقِ حقیقی کے تجربات کو بھی غزل ہی کی ہیئت میں صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔" (۲)

(حرفِ مدحت، ص ۱۱۔۱۲)

بزرگ کہتے ہیں کہ نعت گوئی کی ابتداء خود اللہ تعالیٰ نے کی۔ اُس نے قرآن بھی آپ کی شان میں نازل فرمایا اور "ورفعنا لکَ ذِکرکَ" کہہ کر سب سے پہلا ناعت ہونے کا ثبوت دیا۔ اس کے علاوہ جب اُس نے اہلِ ایمان سے فرمایا کہ

''بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو اے مومنو! تم بھی اُن پر درود و سلام بھیجا کرو'' تو یہ بھی ایک نعت کی شکل ہے۔ نعت کا سفر ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔

اشرف نقوی کی نعت گوئی کے حوالے سے مظہر علی ورک یوں رقمطراز ہیں:

> ''نعت گوئی ایسی صنفِ سخن ہے کہ جس میں شاعر بہت کچھ کہہ کر بھی کچھ نہیں کہہ سکتا اور کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کے جن شعراء نے نعت گوئی کو اپنا موضوع بنایا اور مواد کے اعتبار سے نیا رنگ اور آہنگ دیا ہے اُن میں ایک نمایاں اور قابلِ ذکر نام اشرف نقوی کا بھی ہے جو اُردو ادب کی شعری روایات کے پاسدار ہیں۔ اشرف نقوی بسیار گو نہیں ورنہ اُن کے کئی مجموعے آ چکے ہوتے۔ اُن کی نعت گوئی اصلاحی اور مقصدی پہلو لیے ہوئے ہے۔'' (۳)

(مقالہ مظہر علی ورک، ص ۳۹)

اشرف نقوی کے دو غزلیہ مجموعوں ''آخرش'' اور ''زادِ حرف'' کے بعد حال ہی میں اُن کا تیسرا شعری مجموعہ منظرِ عام پر آیا ہے جو حمد و نعت پر مبنی ہے۔ اس میں اشرف نقوی نے عشقِ رسول ﷺ کو بڑی محبت اور عقیدت سے بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر خالد ندیم اشرف نقوی کے نعتیہ مجموعے ''حرفِ مدحت'' کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ''گزشتہ صدی کے نویں عشرے میں منظرِ عام پر آنے والے اُردو شعراء میں اشرف نقوی کا شمار اُردو شاعری بالخصوص اُردو غزل کے نمائندہ شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اُن کے اسلوب کی برجستگی، بحروں کا انتخاب، ردیف قافیے کی ندرت، مصارع کی چُستی اور مضامین کا تنوع اُنھیں اپنے ہم عصروں میں نمایاں کرتا ہے۔ اب قدرت اُن پر مزید مہربان ہوئی تو وہ حمد و نعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ حمد و نعت لکھنا بجائے خود شعری پل صراط پر چلنے کا عمل ہے۔ یہ شاعری بھی ہے اور عقیدت و محبت بھی۔ ہمارے ہاں اکثر شعراء کے ہاں شاعری رہ جاتی ہے یا محض عقیدت، لیکن اشرف نقوی کو خالقِ کائنات اور محبوبِ کائنات نے شعر و سخن

اور عقیدت و محبت میں توازن بخشا ہے۔ چنانچہ اُن کے زیرِ نظر مجموعے میں اُن کی ریاضت
اور عشق و مستی دونوں ایک ایسی سطح کو چھو رہے ہیں جس تک پہنچنے کی آرزو بیشتر آرزو ہی رہ
جاتی ہے اور شاعر کہیں فضا میں معلّق ہو جاتا ہے۔(۴)

(حرفِ مدحت، بیک فلیپ)

اشرف نقوی کا مجموعہ ٔ حمد و نعت ''حرفِ مدحت'' مختلف نامور شعراء و ادباء سے داد و تحسین وصول کر چکا ہے اور ابھی تک سراہا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر بھی اسے داد و تحسین کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ اشرف نقوی نے اپنی حمد اور نعت میں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔ اُنھوں نے اس مجموعہ میں جو حمد اور نعت کہی ہے اُس میں کہیں بے ادبی کا پہلو پیدا نہیں ہونے دیا اور نعت کے اصول و ضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے حمدیں اور نعتیں کہی ہیں جس سے اس مجموعے ''حرفِ مدحت کی خوب صورت اور بڑھ گئی ہے اور اس کا اعتراف کئی نامور اہلِ قلم نے کیا ہے۔ اس حوالے سے اصغر علی جاوید رقم طراز ہیں:

''اشرف نقوی نے اِس پاکیزہ اسلوب کے لیے پہلی بار قلم نہیں اُٹھایا بلکہ ماضی میں بھی وہ ایک
ناعت کی حیثیت سے پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ ان کا توصیفی اور عشقیہ اندازِ نعت جذب و شوق
اور کیف و مستی میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ ''حرفِ مدحت'' میں ہیئتی اعتبار سے
غزلیہ اندازِ نعت نہایت متأثر کُن ہے اور اِس میں لوازماتِ غزل کا التزام کہیں بوجھل اور گراں
نہیں ہے۔'' (حرفِ مدحت، ص۹) (۵)

نعت گوئی میں اگرچہ فن کا بھی بڑا عمل دخل ہوتا ہے اور شاعر نعت کے اشعار میں شاعرانہ اصول و ضوابط کے اندر رہ کر شعر کہتا ہے اور عروض کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا لیکن شاعر کے لیے جو چیز نعت کہنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہوتی ہے وہ ہے اخلاص، محبت اور عقیدت۔ شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیرتِ اطہر کے تمام پہلوؤں سے آگاہ ہو۔ اچھے نعت گو کے لیے اسلامی تاریخ، سیرت النبی اور قرآن و حدیث سے سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر نعت میں وہ حسن پیدا نہیں ہو سکتا جس کا نعت تقاضا کرتی ہے۔ نعت گوئی ایک روحانی تجربہ ہے جسے حاصل کرنے کے لیے شاعر کے دل میں عشقِ رسول کی سچی لگن ہونا ضروری ہے۔ جب ایک نعت گو شاعر شعر کہتا ہے تو اُس کے دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اُس کے ایمان کو تازگی بخشنے کے ساتھ ساتھ اُس کے دل میں محبتِ رسولؐ کی روشنی کو اور بڑھا دیتی ہے۔ ایک نعت گو شاعر نعت کو اپنی بخشش کا وسیلہ جانتا ہے اور اپنے لیے شفاعت کا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہ کیفیات اشرف نقوی کی نعت گوئی خصوصاً ''حرفِ مدحت'' میں پائی جاتی ہیں۔

معروف کالم نگار نسیم شاہد اپنے کالم ''ان کہی'' میں اشرف نقوی کے حمدیہ و نعتیہ مجموعے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اشرف نقوی ایک قادرالکلام شاعر ہیں۔ شاعری کے اعلیٰ اوصاف اُن کے مصرع اور ہر شعر میں نظر آتے ہیں۔ وہ غزل نظم کے ساتھ نعت اور حمد بھی کہتے ہیں اور کیا ڈوب کر کہتے ہیں۔ ''حرفِ مدحت''میں شامل اُن کی پُر عقیدت و محبت شاعری قاری کو ایک عجب قسم کے سرشار لمحوں میں لے جاتی ہے۔ اُن کی شاعری پر رائے دیتے ہوئے سرگودھا یونیورسٹی کے اُستاد ڈاکٹر خالد ندیم نے جو رائے دی ہے وہ اسی لیے اہم ہے کہ اس میں اشرف نقوی کے شعری امکانات کو بھرپور طریقے سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''اشرف نقوی نے فنِ شاعری پر اپنی دسترس کو ہر سطح پر ثابت کیا ہے اور ان کے بیشتر اشعار احساس دلاتے ہیں کہ اُن کے لیے حمد و نعت میں مزید امکانات موجود ہیں اور اگر وہ اِس راہ پر مسلسل گامزن رہے تو محسن کاکوروی، ظفر علی خاں، احمد رضا خان، حفیظ تائب، ماہر القادری اور نعیم صدیقی کے قافلے سے جا ملیں گے۔'' حمد اور نعت ایسی شعری اصناف ہیں جن میں احتیاط کا دامن قدم قدم پر شاعر سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ حدِ ادب کو فراموش نہ کرے۔ ایک خالق کی ثناء ہے اور دوسری اُس کے محبوب کی عظمت کا بیاں، دونوں میں عقیدت و محبت کے جذبوں کی فراوانی بنیادی وصف کا کردار ادا کرتی ہے۔ اشرف نقوی کا وصف یہ ہے کہ اُنھیں ان دونوں اصناف میں اپنی عقیدتوں، محبتوں اور جذبوں کے اظہار کا موقع ملا۔ اگرچہ اِس سے پہلے وہ اپنی غزلیات کے دو شعری مجموعوں ''آخرش'' اور ''زادِ حرف'' میں اعلیٰ شعری اوصاف سے بہرہ مند ہونے کا ثبوت دے چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جو غزل میں کامیاب ہوا وہ ہر صنف میں اپنا وجود منوا لیتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ نعت گوئی اور حمد دو ایسی اصناف ہیں جن میں صرف اچھی شاعری بطور ڈکشن، تراکیب و استعارہ یا انفرادیت یا دیگر شعری و فنی اوصاف ہی کام نہیں آتے بلکہ ان کے لیے دل میں عقیدت و محبت کی وہ شمع فروزاں ہونا ضروری ہے جو جذبے کو ایمان میں ڈھالتی ہے۔ ''حرفِ مدحت'' میں شامل حمد اور نعت کو پڑھ کر یہ کہنے میں کوئی کلام نہیں کہ اشرف نقوی کے سینے میں یہ شمع نہ صرف روشن ہے بلکہ الفاظ کے پیکر میں ڈھل کر وہ قاری کے دل کو بھی منوّر کر دیتی ہے۔ اُن کے دو اشعار:

مجھ کو ملا جو نعت خزانہ ہے منفرد

چشمِ کرم کا اُن کی، بہانہ ہے منفرد

لوگوں کے عشق کی تو کہانی ہے عام سی

میری عقیدتوں کا فسانہ ہے منفرد"

(روزنامہ پاکستان)(۶)

اشرف نقوی نے عام شاعروں کی طرح اپنے اس مجموعے میں توحید و رسالت کو ملانے کی شرعی غلطی نہیں کی بلکہ خدا کو خدا کے مقام پر اور رسول ﷺ کو مقامِ رسالت پر رکھ کر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے۔ اُن کی تقدیسی شاعری کی یہی خوبی اُن کو اپنے ہم عصر شعراء میں ممتاز اور نمایاں کرتی ہے۔

غزل کے میدان میں اشرف نقوی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُنھوں نے غزل کے میدان میں یہ مقام و مرتبہ کسی کی سفارش یا کسی کو بطور سیڑھی استعمال کر کے نہیں بنایا بلکہ وہ اپنے اسلوبِ شاعری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی غزل گوئی کا اپنا ہی ایک انداز اور اسلوب ہے جس کے ذریعے اُنھوں نے شعر و ادب کے میدان میں اپنا نام، مقام اور مرتبہ بنایا۔

اشرف نقوی نے "حرفِ مدحت" کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری میں غزل کی ہیئت کو اپنایا ہے۔ ان کی نعت آج کی روایتی نعت سے کہیں مختلف ہے۔ اس کا غزلیہ انداز قاری کو گراں نہیں گزرتا اور قاری ایک مقدس بے خودی اور سرشاری میں ڈوب جاتا ہے۔ اشرف نقوی کی ان حمدوں اور نعتوں میں عشقِ حقیقی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ "حرفِ مدحت" کے حوالے سے ارشد نعیم یوں رقم طراز ہیں:

" حرفِ مدحت" حمد و نعت کا امتزاج ہے اور جب ہم اِس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے ہاں حمد میں بالعموم اور نعت میں بالخصوص غزل کے آرٹ کی عمدہ جھلکیاں ملتی ہیں۔ تلازمات، علامات اور استعارات کا نظام اور قلبی کیفیات کے تموّج نے باہم مل کر ایک خوش نما اسلوب وضع کیا ہے اور اِس خوشنما اسلوب میں نعت کے مضامین پوری جولانی کے ساتھ نظم ہوئے ہیں۔

حفیظ تائبؒ نے بہت درست فرمایا ہے:

نہ فکر کی جولانی نہ عرضِ ہُنر مندی

توصیفِ پیمبرؐ ہے، توفیقِ خداوندی

نعت کا میدان سخن کی بجائے نسبتِ رسولؐ کے اظہار کا میدان ہے اور اِس میدان میں
وہی قدم رکھتا ہے جس کو اُس دربارِ عالی سے اِذن ملتا ہے اور جس کو اِذن مل جائے اُس کے لیے فن
کے دُنیاوی پیمانے اور اصول بے معنی ہو جاتے ہیں۔(۷)

(حرفِ مِدحت، ص۱۲)

نعت گوئی آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کے اظہار کا ذریعہ ہے جس کی وساطت سے ایک شاعر رسولِ کریم ﷺ کی بار گاہ میں اپنی حاضری اور اپنا استغاثہ انتہائی ادب و احترام سے پیش کرتا ہے۔ اشرف نقوی نے "حرفِ مدحت" میں بار گاہِ رسالت و نبوت میں اپنے بے وقعت اور بے مایہ ہونے کا اظہار بھی کیا ہے اور اپنے آپ کو آپ کی بار گاہ میں ایک گناہ گار مجرم کی طرح پیش کر کے شفاعت کی گزارش بھی کی ہے۔

"حرفِ مدحت" سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

جو یادِ مصطفیٰؐ میں کرے دل کو مضطرب

ہوتی ہے دو جہاں کی خوشی اُس ملال میں

(حرفِ مدحت، ص۶۳) (۸)

قرآں بھی تری نعت کی صورت ہوا نازل

یہ عالمِ کُن بھی تری خاطر ہی بنا ہے

(حرفِ مِدحت، ص۸۱)

ہُوں خوش نصیب کہ آلِ نبیؐ سے نسبت ہے

سو اِس خوشی کا ابھی تک خمار مجھ پر ہے

(حرفِ مدحت، ص۹۱)

اشرف نقوی کا مجموعۂ حمد و نعت شاعر کے لیے ایک ایسا قیمتی اثاثہ ہے جو اس کے لیے توشۂ آخرت ثابت ہو سکتا ہے۔

اس مجموعے میں شامل نعتیہ کلام عشقِ رسول ﷺ سے معمور ہے اور شاعر کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی محبت کا عکاس ہے۔ اشرف نقوی کا یہ مجموعۂ حمد و نعت نہ صرف اُردو کے نعتیہ ادب میں ایک خوب صورت اضافہ ہے بلکہ اُردو کے شعری سرمائے میں بھی خوب صورت اضافہ ہے۔ اس مجموعے کی نعتوں میں سوز و گداز اور ایک عجب قسم کی سرشاری موجود ہے۔ اس کی نعتوں میں سیرت النبیؐ سے وابستہ تلمیحات اور اسلامی تاریخ سے متعلقہ علامات و استعارات ان نعتوں کی ادبی حیثیت میں بھی اضافہ کرتے ہیں اور قاری کو ایک روحانی سکون بھی عطا کرتے ہیں۔

عاصم مجید حرفِ مدحت کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

> ''شیخوپورہ کے معروف غزل گو شاعر سیّد اشرف نقوی کے حمدیہ نعتیہ مجموعہ ''حرفِ مدحت'' کا منصّۂ شہود پر آنا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ عہدِ جدید کے حوالے سے نعت گوئی کے لیے خانۂ خاموش و سرد میں یہ مجموعہ ایک صدائے سرگرم کی حیثیت سے گونجا ہے جس کی بازگشت آئندہ کئی عشروں تک سُنائی دینے کی امید کی جاسکتی ہے۔ ایک سنجیدہ غزل گو کا نعت گوئی کی طرف آنا اور اِس طرح آنا کہ جیسے اِس میدان میں بھی اُن کی برسوں کی ریاضت ہو کسی کمال سے کم نہیں۔''
> (۱۱)

حرفِ مدحت میں اشرف نقوی نے اپنے انداز میں آپ ﷺ کی مدح سرائی کی ہے اور آپ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اپنی نعتوں کا موضوع بنایا ہے۔ قرآن پاک کی سورۂ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اور ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔'' حدیث مبارکہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو تخلیق کیا، سیرت کی کتابوں میں آپؐ کی رحمدلی، جود و سخا، آپؐ کی اپنی آل اولاد سے محبت، صحابہ کے دلوں میں آپ کے لیے بے انتہا عقیدت اور آپؐ کی دریادلی کے واقعات موجود ہیں۔ ایک اچھا نعت گو اپنی عقیدت کے ساتھ ساتھ سیرتِ اطہر کے ان پہلوؤں کو بھی اپنی نعت کا حصہ بناتا ہے۔ اشرف نقوی کی نعت پڑھتے ہوئے کتنے ہی اشعار نظروں کے سامنے سے گزرتے ہیں جن میں سیرتِ رسولؐ کے ان پہلوؤں کو کسی نہ کسی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اشرف نقوی کی نعت کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشد نعیم یوں رقم طراز ہیں:

> ''حفیظ تائبؒ فرمایا کرتے تھے کہ نعت کے بہترین مضامین سیرت النبیؐ سے جڑے ہوئے واقعات اور اوصافِ نبیؐ کا والہانہ ذکر ہے کیونکہ یہی عمل ہمیں حسان بن ثابتؓ اور عہدِ نبوی کے دوسرے نعت گو شعراء کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ اُن کی نعت گوئی بعد میں آنے والوں کے لیے بہترین

نمونہ اور اصول ہے۔ اشرف نقوی نے بھی نعت گوئی کے فن میں ان تمام حدود و قیود اور لوازمات کو ملحوظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

تُو مدینہ عـلم کا ہے، تُو خزینہ علم کا

عالمِ ہفت آسماں تیرے سِوا کوئی نہیں

طائرِ فکر کو مدینـۂ علم!

شوقِ پرواز، بال و پر دیجئے

مشعلِ راہ سیرتِ اطہر

نقش، نقشِ دوام ہیں آقا

نعت گوئی ایک ذمہ دارانہ عمل ہے۔ اس میں نعت کہتے ہوئے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے کہ ذرا سا قدم ڈگمگایا تو انسان گمراہی کے گڑھے میں جا گرے۔ نعت میں تو نہ مبالغہ آرائی سے کام لیا جا سکتا ہے اور نہ ایسی باتیں آپؐ کی ذات سے منسوب کی جا سکتی ہیں جو خدائی صفت کے زمرے میں آتی ہوں۔ اسی طرح حمد میں بھی رب العالمین کی عظمت اور شانِ بزرگی بیان کرکے لیے بہترین، پُروقار اور عظمت و شوکت سے بھرپور الفاظ کا چناؤ لازمی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی شان میں شعر کہنا بھی صرف توفیقِ خداوندی سے ہی ممکن ہے۔ اِسی طرح نعت بھی عطا ہو تو لکھی جاتی ہے۔ یہ ایک سعادت ہے جسے نصیب ہو جائے۔ اس لحاظ سے اشرف نقوی خوش نصیب ہیں کہ انھیں اللہ نے اپنی حمد اور اپنے حبیبؐ کی ثنا کی توفیق بخشی۔ نعت جس اسلوب میں بھی کہی جائے اُس کے لیے اصل شرط صرف عشق و مستی اور عطائے خدا اور عطائے رسول ہے۔ اشرف نقوی نے نعت کے لیے غزل کا اسلوب اپنایا ہے تو یہ بھی شعوری طور پر محسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ جس اسلوب میں غزل کہتے آئے ہیں، نعت بھی اُسی اسلوب میں کہتے ہیں۔

عاصم مجید اشرف نقوی کے اسلوبِ نعت گوئی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حرفِ مدحت" کے مطالعہ کے دوران سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر اُبھرتا ہے وہ ان نعتوں میں نمایاں "رنگِ تغزّل سے متعلق ہے۔ نقوی صاحب کے ہاں جابجا ایسے اشعار ملتے ہیں جو موضوعی لحاظ سے بہت نئے نہ سہی، لیکن سادہ اسلوب، بے ساختہ پن اور تاثیر سے لبریز ہونے کی بدولت ایسا تاثر قائم کرتے ہیں کہ دم بھر کے لیے قاری یا سامع کے دل و دماغ ایک ہو کر جھوم اُٹھتے ہیں:

خیر مقدم کو چلی آتی ہے رحمت اُن کی

جب بھی عشاق مدینے میں قدم رکھتے ہیں

بھٹک بھی جاؤں تو مجھ سے خفا نہیں ہوتا

مِرا خدا مجھے رستے پہ ڈال دیتا ہے

جنھیں طلب کیا جائے، وہی پہنچتے ہیں

وہاں سے سب کو تو اِذنِ سفر نہیں آتا

(عاصم مجید)(۱۳)

اشرف نقوی کی نعت گوئی میں فکری رنگ نمایاں ہے جس کی وجہ "حرفِ مدحت"میں محبت اور عقیدت کے ساتھ اس مجموعہ ٔنعت میں غور و فکر کے پہلو بھی نمایاں ہو گئے ہیں۔ نعت گوئی میں فکری رنگ اکثر اخلاقی اور روحانی موضوعات کے گرد گھومتا ہے۔ آپ ﷺ سیرت، اُسوۂ حسنہ اور آپ کی تعلیمات تمام انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپؐ اکمل البشر ہے، سیرت و کردار میں کوئی آپؐ کا ثانی و ہمسر نہیں۔ اشرف نقوی نے اپنی نعتوں کے ذریعے پیغام دیا ہے کہ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ پر چلنا ہی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی اور آخرت میں نجات کا باعث ہے۔

سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے بہت سے فکری پہلو بھی ہیں جن میں عفو و در گزر، انسانوں اور حیوانوں سے رحم دلی، بچوں سے پیار، بزرگوں کی عزت، خواتین کا احترام، جنگ میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی عزت، یہ سب پہلو آپؐ کی سیرتِ مطہرہ کا لازمی جزو ہیں۔ اور انسان کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ ان اصولوں پر چلنے سے نہ صرف انسان کی دُنیوی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے بلکہ اس کی آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ آپؐ کی سیرتِ اطہر پر عمل کرنے سے نہ صرف فرد کی انفرادی زندگی میں انقلاب آ جاتا ہے بلکہ ایک بہترین اور مثالی معاشرے کی تشکیل بھی ہوتی ہے جس میں ہر انسان دوسرے کا خیر خواہ، مدد گار اور اُس کے معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

اشرف نقوی اپنے نعتیہ کلام کے ذریعے اپنے قارئین کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ آپؐ کے اخلاقِ حسنہ، صبر، عفو و در گزر اور انسانی ہمدردی کے اصول کیسے ایک فکری بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہ اصول نہ صرف فرد کی روحانی زندگی کو نکھار دیتے ہیں بلکہ ایک بہتر اور عدل و انصاف پر مبنی سماج کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بعض نعت گو حضرات آپؐ کی شخصیت، آپ کے مشن اور آپ کی تعلیمات کو فلسفیانہ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اعلیٰ انسانی اقدار، علم و عمل اور حکمت و دانش کا منبع قرار دیتے ہیں جبکہ نعت میں یہ پہلو اُس وقت سامنے آتا ہے جب شاعر آپؐ کی حیات کو فکری اور فلسفیانہ زاویے سے دیکھتا ہے جس میں ہر عمل اور ہر بات میں ایک گہرا معنی اور پیغام پوشیدہ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال ایسے شعراء کے امام ہیں جو سیرتِ اطہر کے روحانی اور فلسفیانی موضوع کے طور پر دیکھتے ہیں اور آپؐ کی تعلیمات کو کائناتی اصولوں سے جوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اِسی حوالے سے عاصم مجید رقم طراز ہیں:

> ”اشرف نقوی صاحب کی نعتوں میں غزل کی ہیئت ہی نہیں بلکہ اس کا فکری رنگ، آہنگ بھی غالب نظر آتا ہے۔ با الفاظِ دیگر اُنھوں نے بحیثیت کہنہ مشق غزل گو شاعر اپنی غزل کے میدان میں ہی نعت کے امکان کو کامیابی سے دریافت کر لیا ہے اور اب اِس راہ پر دبک قدمی سے گامزن ہیں۔“(عاصم مجید)(۱۴)

اِسی تناظر میں اشرف نقوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جب سے لکھا قلم نے نام اُن کا

معتبر تب سے بات ہے میری

(حرفِ مدحت ص ۴۱) (۱۵)

اُن کا کرم جو ہو تو ہر اِک لفظ معتبر

گر چاہیں وہ غزل میں بھی امکانِ نعت ہے

(حرفِ مدحت، ص ۵۵) (۱۶)

اشرف نقوی کے اِس مجموعۂ حمد و نعت میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جن کا اسلوب غزل سے ملتا جلتا ہے اور اُنھیں غزل کی شعری کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اُنھوں نے نعت اور غزل کے نکتۂ اتصال کو پا لیا ہے، اس سے شاعر کا کمالِ فن ظاہر ہوتا ہے۔

"حرفِ مدحت" میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایسے دربار میں کھڑا ہوں جہاں

آنکھ اُٹھتی نہیں عقیدت سے

(حرفِ مدحت، ص ۱۰۵) (۱۷)

ہوائے تیز تر کا سامنا ہے

دیئے پھر بھی جلانا چاہتا ہوں

(حرفِ مدحت، ص ۶۲) (۱۸)

ہر سمت ہے اِک نور معطّر سی ہوا ہے

یہ شہرِ محبت ہے کہ جنت کی فضا ہے

قربان کروں اُس پہ نہ کیوں لعل و جواہر

جو اشک ترِی یاد میں آنکھوں سے بہا ہے

"اشرف نقوی کی شاعری میں صوفیانہ رنگ نمایاں نظر آتا ہے کیوں کہ نعت کا موضوع بذاتِ خود گہری روحانی، صوفیانہ اور فلسفیانہ سوچ کا حامل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی مدح اور تعریف میں صوفیانہ فکر کا استعمال نعت کو ایک اعلیٰ فکری اور روحانی تازگی فراہم کرتا ہے اور اسے بامِ عروج پر لے جاتا ہے۔ صوفیانہ شاعری کا بنیادی فلسفہ انسانیت سے محبت، روحانی سچائی اور قربِ الٰہی کی طرف لے جانا ہے۔ چنانچہ اشرف نقوی کی نعت کے اشعار میں ایک خاص روحانی کیفیت اور صوفیانہ رنگ اور عرفان و آگہی کا پہلو ملتا ہے۔

اِسی ضمن میں عاصم مجید اشرف نقوی کی نعت میں صوفیانہ رنگ کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حرفِ مدحت" کے ضمن میں اشرف نقوی بحیثیت صوفی شاعر کی جہت نظر انداز کرنا قرینِ انصاف نہیں۔ بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اِس مجموعہ کلام میں اشرف نقوی صاحب کے اندر کا صوفی شاعر اپنی تمام تر روحانی و تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ اُبھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، ان کے اشعار میں جابجا صوفیانہ رنگِ سخن جھلکتا ہے۔ کہیں بیدم شاہ وارثی یاد آتے ہیں، کہیں ریاض الدین سہروردی تو کہیں پیر نصیر الدین گیلانی۔ اکثر اشعار تو اصغر گونڈوی کی غزل کے نزدیک تر محسوس ہوتے ہیں۔" (۲۰)

(عاصم مجیدؔ

صوفیانہ شاعری کے حوالے سے اشرف نقوی کے مجموعہ حمد و نعت "حرفِ مدحت" سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اِک نور کا ہالہ ہے عقیدت کی فضا ہے

تقدیس کی ساعت میں وہی جلوہ نما ہے

آنکھیں ہیں تمنّائی ترِی چشمِ کرم کی

اور دل ترِے دیدار کو بے تاب بڑا ہے

(حرفِ مدحت، ص۸۱) (۲۱)

نہ ہو زمین سے نسبت نہ آسماں سے مجھے

رہے لگاؤ فقط تیرے آستاں سے مجھے

جہانِ وہم و گماں میں ہے بس حقیقت تو

اِسی یقیں نے بچایا ہے ہر گماں سے مجھے

(حرفِ مدحت، ص۹۳) (۲۲)

اُس دن سے میری آنکھ شبستانِ نور ہے

جس دن سے وہ جمال دکھایا گیا مجھے

(حرفِ مدحت، ص۹۹) (۲۳)

اشرف نقوی کو بنیادی طور پر صوفی شاعر بھی کہا جا سکتا ہے کیوں کہ اُنھوں نے فلسفۂ وحدت الوجود کو تسلیم کرتے ہوئے ایسے اشعار تخلیق کیے ہیں جو تصوّف پر مبنی ہیں اور جن کی گہرائی میں روحانیت کا سمندر موجزن ہے:

آیئے اِس حوالے سے چند اشعار دیکھتے ہیں:

مکان و لامکاں ہیں سب تِرے ہی حُسن کا پر تو

تجھے کس آنکھ سے دیکھوں، حسینوں سے حسیں ہے تو

تجھے پہچانتا ہوں اے خدا تیری ہی قدرت سے

کہ روز و شب کے ہر منظر مولا! جا گزیں ہے تو

(حرفِ مدحت، ص۱۹) (۲۴)

اِس کے علاوہ اشرف نقوی کی نعت گوئی میں فلسفۂ قضا و قدر کے حوالے سے بھی اشعار ملتے ہیں۔ اشرف نقوی کی شاعری میں روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ جدید موضوعات بھی ملتے ہیں۔ اس مجموعے میں اُنھوں نے قاری کو نعت کے ایک نئے ذائقے سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی شاعری میں روایت اور جدت کے حسین امتزاج کے ساتھ ان کا عصری شعور بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں ''حرفِ مدحت''، ''زادِ حرف'' اور ''آخرش'' میں بڑی آسانی سے مل جاتی ہیں۔

جہاں تک اشرف نقوی کی نعت گوئی کا تعلق ہے ''حرفِ مدحت'' ہمیں تاثیر، جذبہ عشقِ رسول کی فراوانی بھی نظر آتی ہے اور روح میں اُترنے والی گہرائی بھی جو انھیں اپنے ہم عصر شعراء سے منفرد، نمایاں اور ممتاز کرتی ہے۔

اشرف نقوی نے ''حرفِ مدحت'' میں نعت کی پاکیزگی اور شائستگی کو متأثر کرنے والے الفاظ، تراکیب، علامات، تشبیہات اور استعارات سے پرہیز کیا ہے۔ انھوں نے اپنی نعت میں توصیفِ پیمبرؐ کے ساتھ ساتھ موجودہ آلام و مصائب کے دور کے حوالے سے دربارِ نبوی میں انتہائی عاجزی اور انکساری سے اپنی فریاد اور اپنا استغاثہ پیش کیا ہے۔

مجموعی طور پر ''حرفِ مدحت'' اُردو کے تقدیسی (نعتیہ ادب) میں ایک خوب صورت اضافہ ہے جو آنے والے وقت میں بھی قاری کو متوجہ اور متأثر کرے گا اور اہلِ ادب سے تادیر داد و تحسین وصول کرتا رہے گا اور اس کی نعتیں تادیر قاری کو اپنے حصار میں لیے رکھیں گی۔

حواشی

1. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، شیخوپورہ فرح پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء، ص۹
2. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، ص۱۱۔۱۲
3. مظہر علی ورک، ''اشرف نقوی، حیات وادبی خدمات''، مقالہ ایم فل اُردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۸ء ص۳۹
4. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، بیک فلیپ
5. ایضاَ ، ص۹
6. نسیم شاہد، کالم ''ان کہی'' (کتابوں کی دُنیا) لاہور، روزنامہ پاکستان، ۱۹ جولائی، ۲۰۲۴ء، اِدارتی صفحہ
7. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، ص۱۲
8. ایضاَ ، ص۶۳
9. ایضاَ ، ص۸۱
10. ایضاَ ، ص۹۱
11. عاصم مجید، ''حرفِ مدحت'' پر حرفِ عقیدت،
http://www.facebook.com/share/P/1AXiizkHoXo/mibexfid=oFDKnK
12. اشرف نقوی ، ''حرفِ مدحت''، ص ۱۳
13. عاصم مجید، ''حرفِ مدحت'' پر حرفِ عقیدت
14. ایَضاَ
15. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، ص ۴۱
16. ایضاَ، ص۵۵
17. ایضاَ، ص ۱۰۵
18. ایضاَ، ص ۶۲
19. ایضاَ، ص ۷۹
20. عاصم مجید، ''حرفِ مدحت'' پر حرفِ عقیدت
21. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، ص ۸۱
22. ایضاَ، ص ۹۳

23. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، ص ۹۹

24. اشرف نقوی، ''حرفِ مدحت''، ص ۱۹

محاکمہ

اشرف نقوی اُردو ادب کی دنیا میں ایک نامور شخصیت ہیں جنہوں نے نہ صرف غزل گوئی میں نمایاں مقام حاصل کیا، بلکہ نعت گوئی میں بھی اُن کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ اُن کی زندگی، شخصیت اور ادبی کارنامے اُردو ادب میں گہرے نقوش چھوڑتے ہیں۔

اشرف نقوی کا اصل نام محمد اشرف ہے اور آپ نقوی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا تعلق ایک علمی اور ادبی گھرانے سے ہے جس کا اثر آپ کی شخصیت اور شاعری پر بھی نمایاں ہوا۔ بچپن سے ہی آپ کو علم و ادب سے خاص لگاؤ تھا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے مختلف اداروں کا رُخ کیا۔ آپ کی شخصیت میں تہذیب و شائستگی، محبت اور انسانیت کا درس اہمیت رکھتا ہے۔ جسے آپ نے اپنی شاعری میں بھی واضح کیا۔

اشرف نقوی نے ادب کی دنیا میں اپنی خدمات کا آغاز غزل گوئی سے کیا، لیکن بہت جلد آپ نعت گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ کا کلام محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لبریز ہوتا ہے۔ آپ کی شاعری میں اخلاقی تربیت، سماجی شعور اور دینی محبت کا واضح اظہار ملتا ہے۔

اشرف نقوی کی غزلوں میں محبت، غم، وفا اور جستجو جیسے موضوعات کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ کی غزلوں کا کینوس وسیع ہے اور آپ نے روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ جدید دور کے مسائل کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ آپ کے اشعار میں سادگی اور روانی پائی جاتی ہے جو قارئین کے دلوں میں اُتر جاتی ہے۔ آپ کی غزلوں میں رومانوی خیالات کے ساتھ ساتھ زندگی کی تلخیوں کا عکس بھی ملتا ہے۔اشرف نقوی کی غزلوں میں کلاسیکی اور جدید شاعری کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ آپ نے میر، غالب اور اقبال کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے نئی جہات کو اپنایا۔ آپ کی غزلوں کا اسلوب منفرد ہے جس میں جذبات کی عکاسی نہایت لطیف انداز میں کی گئی ہے۔

نعت گوئی میں اشرف نقوی کا مقام منفرد اور بلند ہے۔ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اخلاق کو اپنے کلام کا محور بنایا۔ آپ کی نعتیں محبت، عقیدت اور احترام کے جذبات سے بھرپور ہوتی ہیں۔ آپ کے نعتیہ اشعار میں زبان کی سادگی اور موضوع کی وسعت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ آپ کی نعتوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گہرائی اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔

نعت گوئی میں آپ نے عربی، فارسی اور اُردو کی روایات کو اپناتے ہوئے ایک نیا انداز اختیار کیا جو آپ کے کلام کو منفرد بناتا ہے۔ آپ کی نعتوں میں جہاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار ہے، وہیں آپ نے اُمتِ مسلمہ کی فکری اور روحانی حالت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

اشرف نقوی کی شاعری کا موضوعاتی دائرہ بہت وسیع ہے۔ آپ نے غمِ دوراں، عشق، تصوف، اخلاقی مسائل اور سماجی بدحالی جیسے موضوعات کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ آپ کی شاعری میں عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ آپ کے اشعار میں روحانیت اور دنیاوی زندگی کے مسائل کا بیان اس قدر سلیقے سے کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اشرف نقوی کی شاعری میں محبت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی دونوں کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ آپ کے اشعار میں محبت کی گہرائی اور اس کے پیچیدہ پہلوؤں کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ اشرف نقوی کی شاعری میں روحانی پہلوؤں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ آپ نے تصوف اور معرفت کے موضوعات کو اپنی غزلوں اور نعتوں میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا۔ آپ کی شاعری میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے ساتھ تعلق کو بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ کی شاعری میں سماجی مسائل کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ آپ نے معاشرتی ناہمواریوں، ظلم و ستم اور انسانیت کی پستی کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے اور ان مسائل کے حل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اشرف نقوی کا اسلوب منفرد اور دلکش ہے۔ آپ نے سادہ اور عام فہم زبان میں گہرے خیالات کو بیان کیا، جس کی وجہ سے آپ کی شاعری ہر طبقے کے لوگوں میں مقبول ہوئی۔ آپ کے اشعار میں سلاست اور روانی ہے، جس کی وجہ سے پڑھنے اور سننے والے پر آپ کا کلام فوری اثر کرتا ہے۔ آپ کا شعری اسلوب کلاسیکی اور جدید دونوں روایات کا حسین امتزاج ہے۔ آپ نے فارسی اور اُردو کی روایتی شاعری کے اصولوں کو اپناتے ہوئے جدید دور کے تقاضوں کو بھی مدِنظر رکھا۔ آپ کی غزلوں میں علامتوں کا استعمال نہایت سلیقے سے کیا گیا ہے۔

اشرف نقوی کو فنِ شاعری میں بےپناہ مہارت حاصل ہے۔ آپ نے غزل اور نعت دونوں اصناف میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ آپ کے اشعار میں وزن اور بحر کا استعمال نہایت موزوں اور خوبصورت ہوتا ہے۔

آپ کی نعتیں جہاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار کرتی ہیں، وہیں آپ کی غزلیں محبت اور زندگی کے دیگر پہلوؤں کو بہترین انداز میں بیان کرتی ہیں۔

اشرف نقوی نے شاعری میں کلاسیکی رنگ کے ساتھ ساتھ جدید دور کے تقاضوں کو بھی مدِنظر رکھا ہے۔ آپ کے اشعار میں الفاظ کا انتخاب، موضوعات کا تنوع اور خیالات کی گہرائی نمایاں نظر آتی ہے۔

اشرف نقوی اُردو ادب کی دنیا میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ کی غزل گوئی اور نعت گوئی دونوں اصناف میں آپ کا کلام بےحد مقبول اور موثر ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے محبت، عشق، روحانیت اور سماجی شعور کو بہترین انداز میں پیش کیا۔ آپ کا اسلوب سادہ اور دلکش ہے، جس کی وجہ سے آپ کا کلام ہر طبقے میں مقبول ہے۔